

قواعد رسالہ النجم

(۱) یہ رسالہ مہینہ میں دو بار یعنی ہر جری نینے کی ۲۱ تاریخ کو انشاء اللہ تعالیٰ شائع ہوا کرے گا۔

(۲) رسالہ کا خالص حجم علاوہ اشتہارات وغیرہ کے عموماً ۲۲ صفحہ کا ہوگا اور عند الضرورة اس زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) عام چندہ موافق ذیل کے ہوگا اور خاص طور پر جس کو جو توفیق ہو۔

سالانہ	۷	مالک غیر صرف بقدر
شش ماہی	۵	زیادتی محصول ڈال اضافہ
سہ ماہی	۴	کر لیا جائیگا۔

(۴) چندہ بہر حال پیشگی لیا جائیگا۔

(۵) رسالہ کا آغاز سال ماہ محرم سے ہوگا۔

(۶) جو اصحاب نے میان سال میں خریداری کرینگے اگر نصف

سال نہوا ہوگا تو انکی خدمت میں محرم سے اسوقت تک

کے کل سال بھیج کر شروع سال سے انکو خریدار سمجھا جائیگا

اور بعد نصف سال کے انکو اختیار ہوگا چلے شروع سال

سے اپنی خریداری قائم کرالیں اور چاہے صرف قیسم

دنوں کی قیمت موافق نقشہ قیمت النجم کے بھیج دیں۔

(۷) جو صاحب نے مستقل خریدار النجم کے دین انکو اختیار ہوگا

چاہے ایک سال کے لیے اپنے نام رسالہ جاری کرالیں

چاہے ۳ روپیہ قیمت کی کتاب دفتر النجم تسلیم

(۸) قدیم خریداران النجم کو ہر سال ایک کتاب اور دوپیہ

قیمت کی انعام میں دیجائیگی۔

مقاصد رسالہ النجم

النجم کا اصلی مقصد حمایت اسلام و نصیحت مسلمانوں کے عقائد و خیالات خصائل عادات عبادات و معاملات کی اصلاح اور

اتباع شریعت حقہ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ترغیب اور مخالفت شریعت سے حتی الامکان بچانا۔

ان پاکیزہ مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے حسب ذیل عنوان اختیار کئے گئے ہیں

(۱) زہد و رقائق جسکو دوسرے الفاظ میں مضامین تصور کیا جائے

ابن ذیل میں انشاء اللہ تعالیٰ بہت عبرت انگیز واقعات و روایات

دین کے اور بہت مفید و موثر نصاب و حال الہدیہ ناظرین کو ملے

(۲) اہل علم کی مراسلت جو خاص میں ضروری مسائل سے متعلق ہو

(۳) غیر مذہب کے اندرونی و بیرونی حلوں اسلام کی حفاظت

اسلام کی حقیقت کا تمام مذاہب پر افہام۔

(۴) ہر پرچہ میں کچھ حصہ حصہ جدیدہ اسلامی خبریں لکھی جائیں گی

خبریں جہاں تک ممکن ہوگا کمال تحقیقات کے بعد لکھی جائیں گی

(۵) ہر سال جو کتاب انعام میں تجویز کی جائیگی وہ انشاء اللہ تعالیٰ

بیشتر و اکثر سلف صاحبین میں سے کسی کی ستند و

تصنیف کا ترجمہ ہوگی۔

نرخ نامہ طبع اشتہار و مضامین خاص

تعداد	ماہوار	سہ ماہی	شش ماہی	سالانہ
نصف کالم	۷	۵	۴	۳
ایک کالم	۱۴	۱۰	۷	۴
پورے صفحہ	۲۸	۲۰	۱۴	۸

اتفاقی اشتہار فی سطر کالم ۴ روپیہ قیمت فی عدد

بشرطیکہ قواعد و احکام کے خلاف نہ ہو

بسم الله الرحمن الرحيم

صدا و صلیا

الحکم لکھنؤ۔ روزنامہ کشمیریہ

۶۔ صفر ۱۳۲۵ھ

ماہ صفر۔ رویت ہلال

اسلام نے جس کامل توحید کی اشاعت فرمائی ہے اس کا ایک بڑا رکن یہ ہے کہ اس ذات واحد جلّت قدرتہ کے سوا کسی فاعل مختار باختیار کامل نہ سمجھا جائے۔ کسی کو مستقل نفع پہونچانے والا خریدنے والا نہ اعتقاد کیا جائے۔ اس رکن کی تعلیم کے لیے قرآن کریم نے جس قدر اہتمام کیا ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ اگر اس مضمون کی سبب تین سچا کچھائیں تو معلوم ہو جائے کہ یہ عقیدہ توحید کی جان اور روح روان ہے۔

مگر حیف صد حیف کہ غیر مذاہب کے اختلاط سے مسلمانوں میں اس پاک عقیدہ کے خلاف بہت ناپاک خیالات رائج ہو گئے ہیں۔ اشیائیں نخست وسعدت کا قائل ہونا اس رکن توحید کے کس قدر مٹانی ہے۔ خود شائع نے اس سے منع فرمایا ہے اور تصریح

و صاحب اپنے مقام کی واپسی کے مفصل تیہ طلب کرے گا تو انکو بھیج دیا جائے۔

صاف فرمادیا ہے کہ کسی شئی کو منحوس سمجھنا ہرگز جائز نہیں۔ انھیں ناپاک خیالات کا یہ شائبہ ہے کہ اس ماہ صفر کو غلے انحصار اس کے پہلے تیرہ دنوں کو نہایت منحوس سمجھتے ہیں اور کسی ہتم بالشان کام کی بات اس زمانہ میں نہیں کرتے حالانکہ غلا وہ اس کشیدہ کے کسی فحی کو منحوس نہ سمجھنا چاہیے تھا۔ ماہ صفر کے منحوس نہ سمجھنے کی ایک بہت سی احادیث صحیحین وارد ہوئی ہیں پانچ صحیح بخاری صحیح مسلم صحیح موطا امام مالک ترمذی توداد مستند امام احمد وغیرہ کتب حدیث میں بطریق مستند صحیح بکرام کی ایک جماعت سے جنہن حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت جابر حضرت عبد اللہ حضرت ابوسعود حضرت ابوہریرہ وغیرہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ صفر کا منحوس سمجھنا باطل ہے اصل ہے۔

رویت ہلال کے متعلق بھی یہ روح کہ شہا ہلال محرم کی رویت کے بعد سونے کا دیکھا اور ہلال صفر کی رویت کے بعد آئینہ کا دیکھا وغیرہ وغیرہ شرعاً بالکل بے اصل ہے۔ ہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رویت ہلال کے بعد یہ دعا اللہ تعالیٰ سے کہے یا اللہ اس مہینہ کی خیر برکات سے ہمیں بہرہ ور کر اور مصائب و آفات سے ہمیں محفوظ رکھ۔

دلیل کی روایت کے لئے ہمارے ہاں یہ روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صفر کے پہلے تیرہ دنوں کو منحوس سمجھے گا اس کا اجر نہ ہوگا۔

زہد و رقائق

نمبر (۵)

اب کچھ مختصر حالات حضرت مولانا سید محمد علی السلام کے جو میں نے حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ سے وقتاً فوقتاً سنے لکھتا ہوں۔ حضرت مرحوم تو سرتاپا اٹھنا تذکرہ تھے گویا ان کی زندگی اسی ذکرِ مبارک پر تھی میں احب شیئاً اگر تذکرہ میرے خیال ناقص میں شاید کوئی سینہ ایسا نہیں ہو جس میں بکرات و مرآت حضرت والد مرحوم کی زبان پر یہ تذکرے نہ آتے ہوں اور ان تذکروں کے بعد ایک عمدہ حالتِ دُور و وجد کی نہ پیدا ہوتی ہو۔ کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتے تھے۔

آقا قمار ویدہ ام ہر بتان و زیدہ ام

بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(۱) سب سے عمدہ تعریف یہ تھی کہ حضرت والد

مرحوم فرماتے تھے۔ اگر کوئی مدعی تمام عمر حضرت مہرِ کی خدمت میں رہتا اور مدعیانہ نظر سے انکے حالات کا تجسس کرتا تو کوئی بات انکی خلافِ سنت نہ پاتا۔ سنن ہدی کا تو بڑا رتبہ ہے۔ سنن زوائد پر جیسی موانطبت انکو تھی وہ خود اپنی جگہ پر ایک بہت بڑی کرامت تھی۔ نشست برخواست بات چیت۔ ہنسنے بولنے بات کرنے میں صی بہ کرام کا نمونہ تھے۔ کبھی تبسم سے زیادہ انکو کسی نے ہنسنے نہیں دیکھا

ہمیشہ خندہ پیشانی رہتے تھے۔ بہت ہی نرم گفتار اور شیرین کلام خوش خلق تھے۔ غصہ میں بھی بلند آواز یا کر یہ الفاظ زبان مبارک پر نہ آتے تھے۔

(۲) فرماتے تھے کہ امر معروف و نہی منکر پر بلا تالم تھا۔ کسی کی کوئی بُری بات سنتے یا دیکھتے تو اسکو ضرور منع کرتے۔ کسے باشد۔ مگر منع کرنے کا طریقہ نہایت خوشگوار اور دل پسند ہوتا تھا۔ کسی کو خلوت میں منع کرتے۔ کسیکو جلوت میں۔ کسیکو تقریراً منع کرتے کسیکو تحریراً کسیکو بے لطف کسیکو بے غضب۔ جیسا جس وقت مناسب سمجھتے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ضلع فتحپور کے ایک منصف

نے ایک مقدمہ میں ایسا خلافِ حق فیصلہ کیا جس کا خلافِ

حق ہونا خود منصف کو بھی معلوم تھا۔ اور اس فیصلہ سے

فریقین ناراض تھے۔ اس واقعہ کو سنا حضرت مہرِ کی نے

ایک خط منصف صاحب کو لکھا۔ جسکی نقل حسب ذیل ہے۔

بسمِ تعالیٰ حامداً و مدعیاً

منصف صاحب مہربان محبت نشان ذو المنصب و

الشان و نقلم اللہ سبحانہ لمرضاتہ و شکرکم بحسن الخاتمة

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح لے نصفت

آراے با د از انجا کہ احکم الحاکمین جل شانہ حکام را بنا بر

اصلاح رعایا خصوصاً در باب فصل قضایا بر خلاف

عیال اللہ مقرر فرمودہ است پس لامحالہ قصائد را

الحاظ این اصلاح و دفع تنازع مابین انھیں لابد آمد
و حتی الامکان درین باب و امر و نواہی شرعیہ لحاظ
باشد و نہ عند اندوز فردا خود و غیر معذور خواهند شد
بالجمله حاکم منصف را رعایت احد الخصمین نباید کرد
و آنچه حق بجانب احد ہا دائر باشد از شہود عدول
آنحق بہ ثبوت پیوند و بنشائے آن مقدمہ قیام
نمود و در شرع کثرت شہود ضروریست و از دو شاہد معلول
ثابت می شود و اگر کچھ شہود عادل
... است درین زمانہ مفقود اند الا معتمد الحاظ
عدالت سراسری مسلم بر حکام واجب و لازم است
و عدالت سراسری ہین است کہ بظاہر آن شخص بصوم
و صلوة مقید باشد و از کذب و دیگر کبار محبت و اگر
بشہادت فساق و کفار اگرچہ راست گفتار باشند
بہ قابله مدعی و مدعا علیہ مسلمانان فضل قضایا نخواہد کرد
بہ سخت و بال در آن عالم گرفتارند و در مزہ
ظالمین معدود خواہد گردید قاضی بودن بہل نیست
سخت مشکل است در حدیث شریف وارد است
ہر کہ قضا اختیار کرد گویا کہ بغیر سکین ذبح کردہ شد
این وعید شد بدی خوب یاد دارند لحاظ شرع بہر حال
باشد و آن صاحب خود از احکام شرعیہ اتقا اندھذا
لہ بیان ایک سطر صاف سے لکھی اند پڑھی نہیں گئی۔

باز غفلت می دروند سخت تعجب است آدمی بر آن کہ
و بیجا بدنامی آن نامی طشت از بام شدہ برافوہ
ہر کہ و مہ جاری است و لطف آنست کہ مدعی و
مدعا علیہ ہر دو ناخوش اند این عجب معاملہ است پس از
سنیدن کلمات نامنامہ مردم دلم سخت گیر
و متعجب می شود کہ بیانش نمی شود در زبان خلایق را کہ
بد نمی سازد الحال ہم اگر متنبہ شوند غالب
است کہ این بدنامی دور شود و کچھ حق خیر خواہی و
آشنائی و اخوة اسلامی در میان بود اد اگر در این
اجرا اطلاع داد و آئندہ تمہار غنہ زیادہ۔ والسلام فقط۔

الراشم الاثم

فقیر محمد عبدالسلام عفا عنہ

منصف صاحب کو یہ خط بہت ہی ناگوار گذرا
بکہ انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ توہین کا مقدمہ حضرت
پر چلائیں۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ یہ خبر سنکر میں ان
کے پاس گیا۔ اور بہزار تہذیر میں نے وہ خط اُن سے لے لیا
پھر جناب میان صاحب کی خدمت میں گیا اور بے تحاشا
میں نے اُسے جا کر یہ کلمہ کہا کہ آپ کچھ غور نہیں فرماتے جسکو
جو پاستہ میں لکھ دیتے ہیں۔ پھر میں نے سب واقعبیان
کیا۔ (والد مرحوم فرماتے تھے کہ میں اپنی اُس وقت کی
جبرأت پر سخت تعجب و رنادم ہوں۔ ان سب حالات کو

زہد و رقائے

نمبر (۵)

اب کچھ مختصر حالات حضرت مولنا سید محمد علی السلام کے جو میں نے حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ سے وقتاً فوقتاً سنے لکھتا ہوں۔ حضرت مرحوم تو سرتاپا اٹھنا تذکرہ تھے گویا ان کی زندگی اسی ذکر مبارک پر تھی میں احب شینا اگر تذکرہ میرے خیال ناقص میں شاید کوئی سینہ ایسا نہیں ہو جس میں بکرات و مرآت حضرت والد مرحوم کی زبان پر یہ تذکرے نہ آتے ہوں اور ان تذکروں کے بعد ایک عمدہ حالت دو ووجد کی نہ پیدا ہوتی ہو۔ کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتے تھے۔

آقا قمار ویدہ ام سر بتان و زیدہ ام

بسیار خوبان دیدہ ام یکن تو چیرے دیگری

(۱) سب سے عمدہ تعریف یہ تھی کہ حضرت والد

مرحوم فرماتے تھے۔ اگر کوئی مدعی تمام عمر حضرت مہر و کی خدمت میں رہتا اور مدعیانہ نظر سے ان کے حالات کا تجسس کرتا تو کوئی بات انکی خلاف سنت نہ پاتا۔ سنن ہدی کا تو بڑا رتبہ ہے۔ سنن زوائد پر جیسی موافقت انکو تھی وہ خود اپنی جگہ پر ایک بہت بڑی کرامت تھی۔ نشست برخواست بات چیت۔ ہنسنے بولنے بات کرنے میں صحابہ کرام کا نمونہ تھے۔ کبھی تبسم سے زیادہ انکو کسی نے ہنسنے نہیں دیکھا

ہمیشہ خندہ پیشانی رہتے تھے۔ بہت ہی نرم گفتار اور شیرین کلام خوش خلق تھے۔ غصہ میں بھی بلند آواز یا کر یہ الفاظ زبان مبارک پر نہ آتے تھے۔

(۲) فرماتے تھے کہ امر معروف و نہی منکر پر اللہ تعالیٰ تھا۔ کسی کی کوئی بُری بات سنتے یا دیکھتے تو اسکو ضرور منع کرتے۔ کسے باشد۔ مگر منع کرنے کا طریقہ نہایت خوشگوار اور دل پسند ہوتا تھا۔ کسی کو خلوت میں منع کرتے۔ کسی کو جلوت میں۔ کسی کو تقریراً منع کرتے کسی کو تحریراً کسی کو بے لطف کسی کو بے غضب۔ جیسا جس وقت مناسب سمجھتے۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ضلع فتحپور کے ایک منصف

نے ایک مقدمہ میں ایسا خلاف حق فیصلہ کیا جس کا خلاف

حق ہونا خود منصف کو بھی معلوم تھا۔ اور اس فیصلہ سے

فریقین ناراض تھے۔ اس واقعہ کو سنا کہ حضرت مہر و نے

ایک خط منصف صاحب کو لکھا۔ جسکی نقل حسب ذیل ہے۔

بسم تعالیٰ حامداً و مدعیاً
منصف صاحب مہربان محبت نشان ذو المنصب و

النشان و نقلم اللہ سبحانہ لمرضاتہ و شکرکم بحسن الخاتمة

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح لے نصفت

آراے باد از انجا کہ احکم الحاکمین جل شانہ حکام را بنا بر

اصلاح رعایا خصوصاً در باب فصل قضایا بر خلاف

عیال اللہ مقرر فرمودہ است پس لامحالہ تصانہ را

الحفاظ این اصلاح و رفعت تبارج مابین انحصار لایزال
و حتی الانکان درین باب و امر و نواهی شرعی محفوظ خاطر
باشد و نه عنایت و زود اما خود و غیر معذور خواهند شد
بالجمله حاکم منصف را رعایت احد انحصار نباید کرد
و آنچه حق بجانب احد جهاد اگر باشد از شهود عدول
آنحضرت به ثبوت پیوند و بنشانی آن مقدس فیصل
نمود و در شرع کثرت شهود ضرورت نیست و از دو شاهد مطلق
ثبات می شود و اگر چه شهود عادل
... است درین زمانه مفقود اند الا مع هذا الحافظ
عدالت سراسری مسلم بر حکام واجب و لازم است
و عدالت سراسری همین است که بظاہر آن شخص بصوم
و صلوة مقید باشد و از کذب و دیگر کبائر محبت و اگر
بشهادت فساق و کفار اگر چه راست گفتار باشند
بقیاد مدعی و مدعا علیہ مسلمانان فصل قضایا خواهد کرد
به سخت و بال در آن عالم گرفتار خواهد شد و در زمره
ظالمین معدود خواهد گردید قاضی بودن سهل نیست
سخت مشکل است در حدیث شریف وارد است
ہر کہ قضا اختیار کرد و گویا کہ بغیر سکین ذبح کرده است
این وعید شدید خوب یاد دارند الحافظ شرع بہر حال
باشد و آن صاحب خود را از احکام شرعیہ اکتفا اندازند
لہ بیان یک طرفہ سے کھائی مہار بھی نہیں گئی۔

باز غفلت می درزند سخت تعجب است آدمی بر آن که
و بیجا بدنامی آن نامی طشت از بام شده برافرواہ
ہر کہ و مرہ جاری است و لطف آنست کہ مدعی و
مدعا علیہ ہر دو ناخوش اند این عجب معاملہ است پس از
سنیدن کلمات نامائیم مردم و لم سخت گیرا
و منقبض می شود کہ بیانش نمی شود در زبان خلایق را کہ
بند نمی سازد الحال ہم اگر متنبہ شوند غالب
است کہ این بیای و در شود آنچه حق خیر خواہی و
آشنائی و اخوة اسلامی در میان بود اد اگر دوزین
اجرا اطمینان داد آئندہ تہارند زیادہ۔ والسلام فقط۔

الراستہ الامم

فقیر محمد عبدالسلام عفا عنہ

منصف صاحب کو یہ خط بہت ہی ناگوار گذرا
بکہ انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ توہین کا مقدمہ حضرت
پر چلائیں۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ یہ خبر سنکر میں ان
کے پاس گیا۔ اور ہزار تہدیر میں نے وہ خط ان سے لے لیا
پھر جناب میان صاحب کی خدمت میں گیا اور بے تحاشا
میں نے اُسے جا کر یہ کہہ کہا کہ آپ کچھ غور نہیں فرماتے جسکو
جو چاہتے ہیں لکھ دیتے ہیں۔ پھر میں نے سب واقعبیان
کیا۔ (والد مرحوم فرماتے تھے کہ) میں اپنی اُس وقت کی
جرات پر سخت تعجب اور نادام ہوں۔ ان سب حالات کو

شکریان صاحب نے حسب عادت تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا میں نے تو ان کے ساتھ خیر خواہی کی تھی فرماتے تھے۔ منصف صاحب نے کچھ گستاخانہ کلمات بھی میان صاحب کی شان میں استعمال کیے تھے بقضائے من عادائی و نیافہ آؤنتہ بالحرپ۔ اُن گستاخانہ کلمات کی پاداش اس رنگ میں ظاہر ہوئی کہ اسکے بعد ان کے منزل کا حکم آگیا۔ مگر انکی قسمت میں سعادت تھی کہ وہ معاً متنبہ ہو گئے۔ اور انھوں نے مجھے بلا کر بہت معذرت کی اور کہا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ وبال صرف اُس گستاخی کا نتیجہ ہے جو میان صاحب کی شان والا میں مجھ سے ہوئی۔ آپ میری خطا میان صاحب سے معاف کرادیجیے۔ اور میرے لیے دعا کرائیے۔ چنانچہ میں جناب میان صاحب کی حضور میں گیا۔ اور عرض کیا۔ فرمایا کہ تم کیا اور میری شان کیا۔ یہ وبال اُس گستاخی کا نہیں ہے بلکہ اُسی فیصلہ ناعق کا ہے۔ اچھا اُن سے جفتہ ہو کے صدقہ کی کثرت کریں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صدقہ بلا کر رد کر دینا ہے۔

شکریان صاحب نے حسب عادت تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا میں نے تو ان کے ساتھ خیر خواہی کی تھی فرماتے تھے۔ منصف صاحب نے کچھ گستاخانہ کلمات بھی میان صاحب کی شان میں استعمال کیے تھے بقضائے من عادائی و نیافہ آؤنتہ بالحرپ۔ اُن گستاخانہ کلمات کی پاداش اس رنگ میں ظاہر ہوئی کہ اسکے بعد ان کے منزل کا حکم آگیا۔ مگر انکی قسمت میں سعادت تھی کہ وہ معاً متنبہ ہو گئے۔ اور انھوں نے مجھے بلا کر بہت معذرت کی اور کہا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ وبال صرف اُس گستاخی کا نتیجہ ہے جو میان صاحب کی شان والا میں مجھ سے ہوئی۔ آپ میری خطا میان صاحب سے معاف کرادیجیے۔ اور میرے لیے دعا کرائیے۔ چنانچہ میں جناب میان صاحب کی حضور میں گیا۔ اور عرض کیا۔ فرمایا کہ تم کیا اور میری شان کیا۔ یہ وبال اُس گستاخی کا نہیں ہے بلکہ اُسی فیصلہ ناعق کا ہے۔ اچھا اُن سے جفتہ ہو کے صدقہ کی کثرت کریں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صدقہ بلا کر رد کر دینا ہے۔

منصف صاحب نے اس حکم پر عمل کیا۔ افضل خداوندی وہ حکم تنزل پر دی کرنے سے خسوف ہو گیا۔

(۳) فرماتے تھے کہ باوجود اشغال قویہ باطنیہ کے علوم شرعیہ کا پڑا اہتمام رکھتے تھے۔ تدریس علم دین

خصوصاً درس حدیث شریف کا سلسلہ برابر قائم رہتا تھا۔ فتوے برابر لکھا کرتے تھے اور اخلاقی مسائل میں ان کی تحریر نہایت معتدل اور شفقت بخش ہوتی تھی۔ کوئی شخص حلقہ ذکر سے باہر نہ کہہ دیکھتا تو ہرگز نہ سمجھ سکتا کہ فقر و درویشی سے بھی انکو کچھ مناسبت ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ انکو ایک عالم دین سمجھ لیتا۔

ترویج احکام شریعت اور ازالہ بدعت میں نہایت سعی جمیل فرماتے تھے۔ ہسودہ اور اسکے مضافات میں جس قدر بدعت رائج تھیں سب انھیں کی مٹائی ہوئی ہیں۔

(۴) فرماتے تھے کہ اخقا و استتار کا اس قدر اہتمام تھا کہ میں نے کسی دوسرے میں اسکا مثل نہیں دیکھا فقر و تصوف کے متعلق اگر کوئی تذکرہ انکے سامنے کیا جاتا تو اجنبیت کے ساتھ اسکو سنتے اور کچھ نہ فرماتے ہاں سائل شرعیہ کے متعلق اگر گفتگو ہوتی اور کوئی غلطی کرتا تو اسوقت بول اٹھتے تھے۔

(۵) فرماتے تھے کہ کبھی کوئی کلام موزون میں نے اُن کی زبان مبارک سے نہیں سنا البتہ صرف ایک مرتبہ اس مصرع کی تکرار فرما رہے تھے۔

خدا جو چاہے کرے خاتمہ بخیر کرے

بابا اسکو پڑھتے اور بہت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ۔

(۷) فرماتے تھے کہ قرآن مجید بہت عمدہ عربی لہجہ میں تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے۔ روزانہ بعد نماز فجر و فرغت حلقہ التزام تلاوت کا رکھتے تھے۔ ہمیشہ داہنے ہاتھ سے کھولتے اور بائیں ہاتھ سے بند کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہر کہ تحصیل کو دراصل نفع خیز دین ازراہ بندہ نوازی میرے یہاں تشریف لائے۔ صبح کا وقت تھا۔ تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک شخص وہ مقامی صورت آئے جنکو کوئی پہچانتا نہ تھا اور انھوں نے آکر لمبدا واز سے السلام علیکم کہا۔ اور

میان صاحب سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے کہ میں نے سنا ہر تم قرآن بہت اچھا گاتے ہو اس وقت میں تمہارا گانا سننے آیا ہوں۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس قسم کا کلمہ نکلے سامنے کہتا۔ اور نہ انکو اس قسم کی باتوں کا تحمل تھا۔ مگر اس وقت چہرہ مبارک پر کچھ تغیر بھی نہ پیدا ہوا۔ اور اُسی بناشت کے ساتھ اُٹھے۔ قرآن مجید اتارا اور سورہ مريم پڑھنی شروع کی۔ اس وقت کی حالت قابل بیان نہیں۔

کوئی ایسا نہ تھا جسکے قلب پر خاص اثر نہ ہوا اور آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوں۔ جب سورت ختم ہوئی تو اُس شخص نے کہا۔ واقعی جیسا سنا تھا تم ویسا ہی گاتے ہو

واقعی تم قرآن بہت اچھا گاتے ہو۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا سب متعجب رہ گئے کہ یہ کیا ماجرا تھا اور کون شخص تھا

کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ میان صاحب اسکا استفسار کرتا (۸) فرماتے تھے کہ حکم دواضع بھی ان میں سجد کمال

تھا۔ ایک مرتبہ میرے سامنے ایک شخص آیا اور اُس نے پوچھا کہ میان سیرا فتویٰ لکھ گیا؟ فرمایا ہاں۔ اور اُس کو

فتوے نکال دیا۔ اسنے کہا۔ میان سادو کیا لکھا ہے؟ حضرت نے پڑھ کر سنا دیا۔ اُس شخص نے پوچھا۔ میان

کتاب دیکھ کر لکھا ہو یا بغیر دیکھے؟ فرمایا۔ کہ کتاب دیکھ کر اُس نے کہا۔ مجھکو معلوم ہوتا ہر کہ کتاب دیکھ کر نہیں لکھا۔

یہ سنتے ہی فوراً اُٹھے اور کتاب نکالی۔ بہت دیر تک دیکھتے رہے بعد اسکے فرمایا۔ ایسا ہی ہے جیسا میں نے لکھا۔

(۸) فرماتے تھے۔ تصنع اور بناوٹ مزاج میں بالکل نہ تھی۔ جب کوئی مسئلہ اسے پوچھا جاتا۔ معلوم ہوتا

بتا دیتے۔ نہ معلوم ہوتا صاف کہہ دیتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ (۹) حقوق عباد کی بڑی رعایت فرماتے تھے بال

بچوں کے اداے حقوق کے جو اوقات مقرر تھے اُن اوقات میں کوئی انکو دیکھتا تو سمجھتا کہ بڑے پکے

دنیا دار ہیں۔ کچھ زمینداری کا بھی سلسلہ تھا۔ اسکے متعلق حساب کتاب لکھا پڑھنا خود کر لیا کرتے تھے اور ہر

کام کو عمدہ طر سے کرتے تھے۔ (۱۰) اپنے متعلقین اور اصحاب کے ساتھ ایسا سادہانہ

برتاؤ رکھتے کہ ہر شخص اپنے کو مخصوصین سے سمجھتا تھا۔

فہرست وصولی و واپسی ویلو

- فہرست وصولی :-** (۱) قاضی ذہین مناکورد اسپور (۲) مولوی علی متقی صاحب مٹھرا (۳) منشی امتیاز علی صاحب بارہ بنکی (۴) فیض محمد خان صاحب پوری (۵) حاجی جمال الدین صاحب بھراچ (۶) عبدالحق صاحب بھاکل پور (۷) شرف الدین صاحب بھاگلپور (۸) شیخ نظیر حسین صاحب بارہ بنکی (۹) آزاد شاہ صاحب ہر دوی (۱۰) منشی علی حسین صاحب گیا (۱۱) شیخ توکل حسین صاحب بارہ بنکی (۱۲) حسن خان صاحب باندہ (۱۳) مرزا نصیر گیا بنارس (۱۴) شیخ محمد نور صاحب بستی (۱۵) شیخ ممتاز علی صاحب سلطان پور (۱۶) حافظ احمد حسین صاحب بارہ بنکی (۱۷) بشیر الدین صاحب میرٹھ (۱۸) عبد الغفور صاحب مراد آباد (۱۹) عبد الغفار صاحب جوڈپور (۲۰) محمد عالم صاحب قنوج (۲۱) محمد خان صاحب بلند شہر (۲۲) شرف علی صاحب بھراچ (۲۳) عبد الصمد صاحب آباد (۲۴) قطب الدین صاحب بھراچ (۲۵) شیخ محمد یوسف علی صاحب قنوج (۲۶) مولوی سلیمان صاحب سیٹاپور (۲۷) محمد صدیق صاحب مظفر پور (۲۸) حاجی فضل دین صاحب کلکتہ (۲۹) صاحبہ اودھا خان صاحب فیصل آباد (۳۰) رحمت احمد صاحب بنارس (۳۱) فقیر بخش صاحب انارک (۳۲) محمود الحق صاحب سلطان پور (۳۳) محمد حسین صاحب بنارس (۳۴) منیر الدین صاحب مظفر پور (۳۵) محمد یونس صاحب بارہ بنکی (۳۶) اسد علی صاحب بجنور (۳۷) عبد الغفور صاحب سندھ (۳۸) عبد السار صاحب جون پور (۳۹) عبد الباقی صاحب پراگڑہ (۴۰) غلام محمد صاحب دکن (۴۱) رفیق حسین صاحب بستی (۴۲) محمد حسین صاحب پراگڑہ (۴۳) مظفر علی صاحب خیری (۴۴) لیا علی صاحب سیٹاپور (۴۵) محمد عیسیٰ صاحب سہاڑو (۴۶) دوست محمد صاحب افریقہ (۴۷) تاج محمد صاحب سندھ
- فہرست واپسی :-** (۱) نذیر احمد صاحب بارہ بنکی (۲) وجید الدین صاحب بارہ بنکی (۳) عبد الغنی صاحب غازی پور (۴) شتاق احمد صاحب کانپور (۵) عبد السار صاحب (۶) خوشید حسن صاحب آباد (۷) منقطع علی صاحب بھراچ (۸) محمد یوسف صاحب منامپنہ (۹) عبد اکرم صاحب نروٹی (۱۰) لطف علی صاحب سیٹاپور (۱۱) الفت علی صاحب (۱۲) بابر صاحب (۱۳) غلام دستگیر صاحب دکن (۱۴) محمد بخش صاحب ساگر (۱۵) عبد الکریم صاحب متارہ (۱۶) اصلاح انجیل مراد آباد (۱۷) عبد الحلیم صاحب کلکتہ (۱۸) عبد الرحیم صاحب فیض آباد (۱۹) شاویح الدین صاحب گیا (۲۰) محمد حسن صاحب ای بلی (۲۱) نجم القاب صاحب مراد آباد (۲۲) جمیل الدین صاحب سیٹاپور (۲۳) عبد الجبار خان صاحب منامپنہ (۲۴) بہاء الدین صاحب سیٹاپور (۲۵) ادیس خان صاحب دیون (۲۶) اکرام الہی صاحب فیض آباد (۲۷) عبد احمد صاحب بستی (۲۸) حبیبہ البربری صاحب بستی (۲۹) امیر حسن صاحب فیض آباد (۳۰) حافظ احمد صاحب فیض آباد (۳۱) عبد الرحمن صاحب ای بلی (۳۲) محمد علی صاحب (۳۳) عابد حسین صاحب پراگڑہ (۳۴) شہاب الدین صاحب بھاگلپور (۳۵) شرف الدین صاحب بارہ بنکی (۳۶) عاشق علی صاحب لکھنؤ (۳۷) مولوی سلیمان

بحثِ نسخ

گذشتہ نمبر میں اخبار افغان پشاور سے ایک خطرناک مضمون نقل کیا گیا تھا۔ جسکا عنوان یہ تھا: ”خدا کی کتابوں اور رسولوں کی اہانت“ اس مضمون کا جواب نمبر ۱ پر محول کیا گیا تھا۔ چنانچہ بحول اسد و قوتہ اس مضمون کا جواب باصفا دیا گیا ہے۔

یہ جواب کچھ طویل ہو جائیگا۔ شاید اس نمبر میں ختم نہ ہو سکے۔ لیکن غالباً ایسے مفید مضامین کے لیے ناظرین کو انتظار کی تکلیف اٹھانا ناگوار رہے ہو۔

اخبار افغان کے مضمون نگار نے اپنے مضمون میں مذکور بالا میں یہ چند امور بیان فرمائے ہیں۔

(۱) تورات و انجیل و نیز جمع کتب انبیائی سابقین تحریف سے بالکل پاک ہیں۔ کسی قسم کی تحریف لفظی انہیں نہیں ہوئی۔ مضمون نگار نے اپنے اس عجیب و غریب دعوے پر بزرگ خود عقلی دلیل بھی پیش کی ہے اور نقلی بھی۔ نقلی دلیل کے ضمن میں اُس نے یہ بھی ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان کتب میں تحریف کا واقع ہونا از روئے قرآن ناممکن و محال ہے۔

(۲) تورات و انجیل و جمع کتب انبیائی سابقین نسخ سے بھی محفوظ ہیں۔ یعنی منسوخ نہیں ہوئیں۔

(۳) قرآن میں نسخ منسوخ نہیں ہے۔ یعنی قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔

یہ تین باتیں ہیں جو مضمون نگار نے اصالتاً بیان کیں ان کے علاوہ اور باتیں کہ مسلمانوں نے نسخ قرآن حدیث سے بھی جائز رکھا ہے اور حدیث کا درجہ قرآن سے بھی بڑھا دیا ہے۔ بلکہ رسول کا مرتبہ خدا سے زیادہ کر دیا ہے۔ ضمناً اس مضمون میں مذکور ہیں۔ لہذا پہلے ان تین اصلی باتوں کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔ اور مناسب سمجھا گیا ہے کہ میں اپنے جواب کو تین بحثوں پر تقسیم کروں۔

بحث اول۔ متعلق نسخ قرآن۔

بحث دوم۔ متعلق تحریف کتب مقدسہ۔

بحث سوم۔ متعلق نسخ کتب مقدسہ۔

بحث اول کے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ متعلق اپنی مقدس کتاب یعنی قرآن کریم کے ہے۔

التماس

(خدمت ایڈیٹر صاحب اخبار افغان)

بحث کے شروع کرنے سے پہلے ایڈیٹر صاحب افغان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر انکو میری تحریر سے اتفاق ہو تو براہِ حمیت اسلامی میری تحریر کو اپنے اخبار میں درج کر دیں اور اگر میری تحریر سے اتفاق نہ ہو تو اس کا جواب شایع کریں۔ یہ کوئی معمولی مضمون نہیں ہے جسکو خاموشی

سید ٹال دیا جائے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ آپ میری اس بحث کو کسی نفسانی حرکت پر محمول نہ کریں گے۔ کیونکہ میرے آپ کے درمیان میں کوئی سابقہ نہیں ہے جو باعث نفسانیت کا ہو۔ اب میں اصل مقصد کا آغاز کرتا ہوں اور حق تعالیٰ سے توفیق خیر کی صفا کرتا ہوں۔

بحث اول

(مستقل نسخہ قرآن کریم)

اس بحث میں مجھے تین امور کا بیان کرنا منظور ہے۔ اول۔ نسخہ کے معنی کی تحقیق۔ دوم۔ نسخہ کے اقسام اور ان کے احکام اور ثبوت نسخہ کے دلائل۔ سوم۔ نسخہ کے انکار کے مستلح فاسدہ اور منکرین کے دلائل کا ابطال۔

نسخہ کے معنی ہیں۔ اور یہ لفظ قرآن مجید میں مختلف مواقع پر وارد ہوا ہے اور ان مواقع مختلفہ میں اکثر معانی مختلفہ مراد لیے گئے ہیں۔

معنی اول۔ ازالہ۔ یعنی کسی چیز کا ہٹا دینا۔ یہ معنی اس آیت میں مراد لیے گئے ہیں۔ فینسخہ اللہ ما یفتی الشیطان۔ ترجمہ۔ پس زائل کر دیتا ہے اللہ اس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے۔

معنی دوم۔ تحویل۔ جیسے میراث کے مسائل میں

لفظ نسخہ مناسبہ متنازع ہوتے ہیں وہاں یہی معنی مراد ہیں یعنی ایک سے دوسرے کی طرف میراث کا تحویل کرنا۔

معنی سوم۔ نوشتن (لکھنا) یہ معنی اس آیت میں مراد لیے گئے ہیں۔ انا انما ننسخہ منکم ثم نقول۔ (ترجمہ) ہم لکھتے جاتے ہیں جو کچھ تم کام کرتے ہو۔

معنی چہارم۔ تبدیل۔ یعنی ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز کو قائم کرنا۔ یہی معنی چہارم متنازع فیہ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آیہ مانعہ من آیۃ او منہما میں یہی معنی مراد ہیں۔ جیسا کہ آمد دوم کے ضمن میں بیان ہوگا واضح رہے کہ قرآن کے نسخہ و منسوخ آمد دوم کا علم بجائے خود ایک بہت بڑا اور مہتمم

بالشان فیہ۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اتقان نوع ساج والاربعون میں رقم فرماتے ہیں افزہ بالقصیف خلأق لایحیون منہم ابو عبیدہ القاسم بن سلام و ابو داؤد و السجستانی و ابو جعفر النحاس و ابن الانباری و مکی و ابن العربی و آخرون قال الائمة لایجوز لاحدان یفسد کتاب اللہ لایجوز لایحیون منہ النسخ و

ترجمہ۔ اس میں (نسخہ و منسوخ میں یہ شمار لوگوں نے مستقل کتابیں کبھی ہیں۔ بخلاف ان مشنفین کے ابو عبیدہ یعنی قاسم بن سلام اور ابو داؤد و سجستانی اور ابو جعفر نخاس اور ابن انباری اور مکی و ابن عربی وغیرہ وغیرہ میں ائمہ دین نے فرمایا ہے کہ (صفحہ وین و مکی)

المنسوخ وقد قال على لقاض القوف النسخ

والمنسوخ قال لا قال بلكت واهلكت

نیز یہی علامہ اپنی تفسیر کے اسی نوع میں لکھتے ہیں۔

قد اجمع المسلمون على جوازہ وانكره اليهود وطلنا

منهم انه بدأ كالذي يرعى الراعى ثم سبده

وهو باطل لانه بيان مدة الحكم كالحيا وبعد

الامانة وعكسه المرض بعد الصحة وعكسه الفقر

بعد الغنى وعكسه وذلك لا يكون بدأً۔

قرآن کریم میں نسخ کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ تلاوت

اور حکم دونوں منسوخ۔ دوم یہ کہ صرف حکم منسوخ۔ تلاوت

منسوخ نہیں۔ سوم یہ کہ صرف تلاوت منسوخ۔ حکم

منسوخ نہیں

قسم اول کی مثال۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا

(بقیہ حاشیہ منقوہ) کسی شخص کو جائز نہیں کہ قرآن کی تفسیر کرے مگر بعد

اس کے کہ اس کے نسخ و منسوخ کو جانتا ہو۔

حضرت علی نے ایک قاضی سے پوچھا کہ تم نسخ و منسوخ کا

علم رکھتے ہو انھوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم خود بھی ہلاک ہو

اور ستمہ دو سروں کو بھی ہلاک کیا۔ ۱۲

۱۳۔ کام خدا میں نسخ کے واقع ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ صرف

یہود اسکے منکرین کہ نسخ بد اس ہے۔ جیسے کوئی شخص کوئی راہی سوچے

پھر اس کو اپنی راہ کی غلطی معلوم ہو۔ مگر خیال غلط ہو۔ کیونکہ

نسخ تو حکم کی مدت کا بیان کر دیتا ہے اور ایسا ہی ہے جیسے موت کے بعد زندگی

کان فيما نزل الله عشر رخصات معلومات

فمنهن خمس معلومات۔

ترجمہ۔ جو کتاب اللہ نے نازل کی تھی اس میں دس گھنٹ

دودھ پینے کا طریق معلوم حکم تھا پھر وہ منسوخ ہو گیا

پانچ گھنٹ دودھ پینے سے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے آیت

قرآنی میں یہ حکم تھا کہ دس گھنٹ دودھ کسی عورت

کا پینے سے رشتہ رضاعت قائم ہوگا اس سے کم میں

نہ قائم ہوگا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اس آیت کی

تلاوت بھی موقوف ہو گئی جس میں یہ حکم تھا۔ اور دوسری

آیت نازل ہوئی جس میں پانچ گھنٹ دودھ پینے سے

رشتہ رضاعت قائم ہونے کا حکم دیا گیا۔ اب یہ آیت

بھی قرآن شریف میں نہیں ہے۔ ثنائیہ کہتے ہیں کہ تلاوت

ع کے بعد صحت دینا اور جیسے الدای کے بعد فقیر کر دینا یا فقیری کے

بعد مالدار کر دینا۔ ۱۴

۱۵۔ معلوم ہوا کہ واقع میں علم الہی میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ ہمارے علم

میں ہوتا ہے۔ چونکہ پہلا حکم کسی مدت کے ساتھ ہمارے علم میں مقید نہ تھا

اس سبب سے جب کسی مدت مقید نہ ہو گئی اور دوسرا حکم نازل ہوا تو پہلے ہی

پہلے حکم کو منسوخ سمجھا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ کوئی عہد بھی براہتھے تھے۔ مگر

یہود کے زور پر اپنی شدید حضرات یہود سے بھی سبقت لی گئی اور انھوں

نے اللہ تعالیٰ کے لیے بد اہونا و عاذ اللہ اپنے منہریات مذہب میں داخل

کر لیا۔ جیسا کہ اسکی بسوط بحث الحجۃ کے حصص مناظرہ سابقین میں بھی ہے

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ وقوع نسخ پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے حتیٰ کہ شدید بھی

اس کے مخالف نہیں۔ مگر چند روز سے یہودیت کا غلبہ بہت زیادہ ہو گیا ہے

مذاہب اصلاح بحث تحریف میں بمقابلہ الحجۃ نسخ سے انکار کر گئے اور اب

شاید منکرین نسخ کا ایک جدید فرقہ شیعوں میں قائم ہو جائے۔ ۱۶

اسکی نسخہ ہوگئی مگر حکم اس کا باقی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دس گھنٹ والی آیت کی طرح پانچ گھنٹ والی آیت کی بھی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہیں۔

شافعیہ کے مذہب میں بغیر پانچ گھنٹ پیسے سے رشتہ رضاعت قائم نہیں ہوتا اور حنفیہ کے نزدیک ایک قطرہ دودھ پی لینے سے بھی رشتہ رضاعت قائم ہو جاتا ہے۔
قیم دوم کی مثال۔ اسی قسم کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے۔ اور ہونی چاہیے تھی۔ کیونکہ یہ وہ قسم ہے کہ آیت قرآن شریف میں موجود ہے اسکی تلاوت قائم ہے اور اسکا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ اور یہ قاعدہ فطری ہے کہ جس چیز میں اہتمام و توجہ زیادہ ہوتا ہے اس میں اختلاف بھی ضرور واقع ہوتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے۔ ع

وللناس فیما یشتقون مذاہب

لہذا اس قسم کی مسئلہ میں بھی سخت اختلاف ہے۔ اور اس کی صورت وقوع میں بھی اختلاف ہے۔ سب سے پہلے میں صورت وقوع کے اختلاف کو بیان کرتا ہوں۔

تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور عقل سلیم بھی اسکو قبول کرتی ہے کہ نسخ صرف احکام میں ہو سکتا ہے اخبار میں نہیں ہو سکتا۔ اخبار میں اگر نسخ جاری ہو تو بے شک وہ اعتراض جو یہود

کی طرف سے نسخ پر کیا جاتا ہے۔ صحیح ہو جائیگا۔

احکام کے نسخ کی یہ چند صورتیں واقع ہوئی ہیں۔
کوئی حکم نازل ہوا۔ اور ہنوز اسکا امتثال نہ ہونے پایا تھا کہ منسوخ ہو گیا۔ جیسے آیت نجوی یعنی یا ایہا الذین آمنوا

اذ انما جئتم الرسول فقد موافقین یہی نحو حکم صدقہ۔

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ رسول سے جب کسی کو کوئی راز کی بات کہنا ہو تو قبل اسکے کچھ صدقہ دے۔ اس حکم کے امتثال کی توبت نہ آئی تھی کہ منسوخ ہو گیا۔

کوئی حکم شرائع سابقہ کا تھا۔ اور ابتداء اسلام میں مسلمان بھی اُسپر عمل کرتے تھے۔ وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جیسے نسخ قبلہ کہ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ پھر حکم ہوا کہ کعبہ کی طرف نماز پڑھیں۔

آیت نازل ہوئی۔ اُسکے حکم پر چند روز عمل بھی ہوا بعد اسکے وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسے بوقت موت وصیت کا حکم۔ کہ آیت میراث نے اسکو منسوخ کر دیا۔

قرآن عظیم کی کون کون آیتیں ہیں جنکا حکم منسوخ کیا گیا۔

ان آیتوں کی تعیین شمار میں بڑا اختلاف ہے۔ کسی نے ایک آیت کو منسوخ کہا۔ دوسرے نے اسی آیت کو محکم (یعنی غیر منسوخ) کہا۔ اس اختلاف

فیما یشتقون مذاہب

فیما یشتقون مذاہب

کا سبب کیا ہے؟ آئندہ جب ہم نسخ کے احکام ذکر کرنے کے
انشار اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائیگا۔

آیات منسوخہ الحکم کی تعداد میں اس قدر اختلاف
ہے کہ بعض نے تو ان کا شمار سیکڑوں تک پہنچا دیا۔ مگر
علامہ سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں کہ وہ کل بیس آیتیں
ہیں۔ چنانچہ انھوں نے دس شعرون میں ان آیات
کو بیان کیا ہے۔ شروع کے دو شعر یہ ہیں۔ ۵

قد اکت الناس فی المنسوخ من عدد
والله اعلم بالحق ایالیس تخضر
وہا کہ تحریر اسے لا مزید لہا

عشرین حررہا احمد اذ الکبر
مگر شیخ فونی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب فوز الکبیر
میں ان کی تعداد بیس سے بھی گھٹا دی

تیسری قسم کی مثال۔ یہ تیسری قسم وہ ہے کہ شیعہ
مولویوں نے بحث تحریف میں علمی اہل حق کی گرفت
سے محفوظ الحوا اس ہو کر اسکو تحریف میں شمار کر لیا ہے
حالانکہ نہ ان روایات کے مضمون سے تحریف ثابت

ملے ترجمہ۔ لوگوں نے منسوخ کا شمار بہت بڑھا دیا ہے اور بہت
اس قدر آیتیں داخل کی ہیں کہ جہاں انھیں ہو سکتا، مگر اب تم
ان آیتوں کی تحقیق سنو جو سپر زیادتی نہیں ہو سکتی، وہ ہیں
ہیں جنکو ما ذوق اور بڑے بڑے علماء نے

ہو سکتی ہے نہ ہمارے علمائے ان روایات کو تحریف
پر محمول کیا ہے۔ بلکہ برابر تصریح کرتے چلے آئے ہیں کہ یہ
روایتیں منسوخ التلاوة والاحکام کی مثال ہیں۔ مثلاً
بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ سورۃ احزاب
میں دو سو آیتیں تھیں۔ یا ایک روایت میں ہے
کہ ایک سورۃ سورۃ براءۃ کے برابر نازل ہوئی تھی
وہ منسوخ ہو گئی۔ شیعوں کے مفسرین نے بھی ان
روایات کو ذکر کر کے نسخ تلاوت ہی پر محمول کیا ہے۔

یعنی نسخ کا ماننا واجب ہے یا نہیں اور اگر
کوئی شخص نسخ سے انکار کر جائے تو وہ
گنہگار ہو گیا یا نہیں؟

اس امر کے معلوم کرنے کے لیے ضرورت
اسکی ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ نسخ کا ثبوت
کس قسم کی دلیل سے ہے۔ اگر کوئی قطعی دلیل ہو تو اسکا ماننا واجب بلکہ
فرض ہو گا۔ اور اگر دلیل ایسی ہے کہ اس سے ظن غالب حاصل ہوتا ہو تو اسکا ماننا
واجب یا ہو گا اور اگر دلیل ایسی بھی نہ ہو تو واجب بھی نہ ہو گا۔

پس واضح رہے کہ نسخ کی تین قسمیں ہیں جیسا
کہ اوپر بیان ہوا۔ ان میں سے تیسری قسم کا ماننا
واجب نہیں ہے۔ کیونکہ تیسری قسم کے نسخ کا وجود
قرآن میں صریح اخبار احاد سے ثابت ہوتا ہے
اور نکاح سے کہ اخبار احاد باب عقائد میں واجب القبول بلکہ

بعض اوقات جائز القبول بھی نہیں ہوتیں۔

علامہ سیوطی نے اتفاق میں لکھا ہے کہ
”حکى القاضي ابو بكر في الانتصار عن قوم
انكار هذا الضرب لان الاخبار فيه اخبار احاد
ولا يجوز القطع على انزال قرآن ونسخه
باخبار احاد لا حجة فيها۔“

یعنی قاضی ابوبکر نے انتصار میں ایک جماعت
سے منسوخ کی اس قسم کا انکار نقل کیا ہے کیونکہ اسکے
مستعلق روایتیں جس قدر ہیں وہ سب خبر احاد ہیں
اور خبر احاد سے کسی آیت کے نازل ہونے اور
اسکے منسوخ ہو جانے کا یقین کر لینا جائز نہیں۔ نیز
ان روایات کا اکثر حصہ ایسا ہے کہ راوی کے وہم
سے خالی نہیں۔

مثلاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی
حدیث اپنی سائی۔ راوی نے اُسکو قرآن سمجھا
یا تفسیری الفاظ بیان فرمائے۔ راوی نے اُسکو
جز قرآن سمجھا۔

غرض اس قسم کے بہت وجوہ ہیں۔ مگر اس کے
ساتھ ہی جو لوگ اس قسم کے منسوخ کو مانتے ہیں۔ انکے
دلائل بھی بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہیں۔

قرآن شریف کی آیت سنقر تک فلا تنسوا الاما

سے اس کا استنباط ہوتا ہے۔ اور نیز قدر مشترک ان
روایات کا ضرور مفید ظن غالب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم
نبحث سوم میں اسکو بیان کریں گے۔ لہذا محقق یہ ہے
کہ اس قدر مان لینا چاہیے کہ ہاں کچھ منسوخات
اس تیسری قسم کے بھی ہوئے۔ مگر ان کی یقین البتہ
محل نظر ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ تحقیق صرف
اس تیسری قسم کے وقوع میں ہے۔ ورنہ اس کا امکان
اور جواز تو ہرگز محل نظر نہیں۔

دوسری قسم نسخ کی البتہ مہتمم بالشان ہے
اور جو کچھ گفتگو ہے اسی میں ہے۔ اور جس قدر
تصانیف متعلق نسخ کے ہوئی ہیں وہ سب اسی
دوسری قسم کے بیان میں ہیں۔ مگر یہ سب تحقیقات
واختلافات ان آیات منسوخہ کی یقین و تقدید
میں ہیں۔ ورنہ اس دوسری قسم کا وجود مطلق ہرگز
قابل انکار نہیں۔ نیز بعض بعض آیتوں کی یقین محل نظر
نہیں ہے۔

پہلی قسم کا وہی حال ہے جو تیسری قسم کا ہے
کیونکہ وہ دونوں قرآن کریم میں مکتوب ہونے
کی وجہ سے ایک رتبہ میں ہیں۔ واللہ اعلم

ہو جائیگا کہ اہل سنت کے مقابلہ میں علماء شیعہ کے لیے
کذب و بہتان ہی ایک سپر ہے اور بس۔

رسالہ اصلاح کا جواب

(اور)

مجمع علمای شیعہ کو اعلان

اصلاح نمبر ۱۲ جلد ۱۲ بابت ماہ شوال ۱۳۲۵ھ

کئی ماہ کے غور و فکر کے بعد میری اُس گرفت کا جواب دیا جو
متواتر کئی پرچوں میں من نے کی تھی۔

ایڈیٹر ان لٹرس نے مجھ پر بہتان باندھا تھا کہ میں نے
اس امر کا اعتراف کیا جو کہ روایات اہل سنت سے تحریف
نہیں ثابت ہے۔

اس صریح بہتان کا جواب ایڈیٹر اصلاح کے پاس
سوال کے کیا تھا کہ یا تو خاموشی میں اسکو ٹال دے۔ یا اپنی افرا
پردازی کا اعتراف کرے۔ مگر انجم کی آخری گرفت کے الفاظ
نے اُسکو خاموش نہ رہنے دیا اور صاف صاف اعتراف اپنی
افراپردازی کا کر لیا بھی اُسکو دشوار معلوم ہوا۔ لہذا اُس نے
بخیال خود اپنی اور اپنے اسلام کی عادت کے موافق چاہا کہ
زمین آسمان کے قلاب مالا کر جواب کے نام سے کچھ لکھ لے
مگر قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھتے کہ ایسا مضمون اُس کے
قلم سے نکل گیا جو افراپردازی اعتراف سے بدرجہا بڑھا دیا
اب اس مضمون کے دیکھنے کے بعد ہر شخص کو یقین کا مل

کذب دوم۔ جو ٹھوکی تاثیر ہے کہ لاکھ سچ بناؤ جو ٹھوکی
کھلتا ہی جائیگا۔ اسی لیے شیعوں کا اصول مقرر ہے کہ
مجاہدین کے مقابلہ میں سب سے پہلے لعنۃ اللہ علی الکاذبین
کہتے ہیں کہ کسی یا نذاریہ پر تو اثر ہوگا۔ لٹرس جلد ۱ کے
حصہ حد السارق صفحہ ۲۶ میں لکھا گیا تھا۔ "ہے اس قدر
تفصیل بالا جمال اس لیے کیا کہ جاسے مخاطب اسکے تو
قائل ہیں کہ روایات اہل سنت سے تحریف ثابت ہے
مگر علمای اہل سنت اسکے قائل نہیں ہیں بخلات شیعہ
کہ ان کے علماء بھی تحریف کے قائل ہیں۔ لہذا اہل عبار
شرح و حرم کو لکھ دیا کہ معلوم ہو جائے وہ علمائے
سے ہیں اور قائل تحریف ہیں یا نہیں تاکہ تصدیق و تکذیب
مخاطب تمام نمایاں ہوئے۔

اس جملہ نے مردہ حیا میں اُس شیطانی روح کو
کوایا جس سے تین نمبر میں ایک ہی آواز لگتی۔ سو دفعہ
۱۰۔ رجب میں لکھا جو۔ اس کذب صریح و درود رخ
فیض کی کچھ حد بھی ہے؟ ایڈیٹر لٹرس بتائیں تو سہی
کہ میں نے نماں لکھا جو کہ روایات اہل سنت سے تحریف
ثابت ہے۔

پھر اشرع بیان کے پرچہ میں لکھتے ہیں۔ "رسالہ لٹرس کے
عالمی دماغ ایڈیٹر صاحبان نے اسی حدیث پر نکل کر کہ
خاص مجھ پر فرمایا کہ معاف و بدشمن نے ایسا لکھا کہ کہ
کے یہاں تحریف قرآن کی روایتیں موجود ہیں اسکی بابت
اُن سے مواخذہ بھی کیا گیا مگر آج تک انہیں جواب
دینا نصیب نہیں ہوا۔"

پھر ۲۸ شعبان میں کہتے ہیں۔ "جناب فقہ الحکماء
دام ظلہ اب بھی خیریت ہے۔ یہ پرچہ اصلاح میں
میری وہ عبارت جو کتاب و صلیہ حد السارق سے لکھی

جس میں میں نے بقول آپ کے اہل سنت کے یہاں روایات تحریف کے وارد ہونے کا اعتراف کیا ہے، صفحہ ۱۰ نمبر جلد۔

اس تقریر کے جواب میں پہلے تو آپ اپنا اخبار نمبر ۳ جلد ۲ - مورخہ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ ملاحظہ فرمائیے جس میں بجواب اثنا عشری آپ لکھتے ہیں (۱) جو روایتیں بجا الکتب اہل سنت ایڈیٹر صاحب اثنا عشری نے نقل کیے ہیں سب استقصاء الانحام کے جواب میں آچکی ہیں (اس جلد سے وجود روایات کتب اہل سنت میں ثابت ہوا) (۲) اول تو وہ روایتیں تحریف پر اصرار دلاتی ہیں کہ میں بلکہ صحیح آیات پر دلالت کرتی ہیں (۳) ان روایتوں میں غیر مصومین کے اقوال ہیں پس وہ کیوں کہ حجت ہو سکتے ہیں چاہیے تھا جس طرح ہنسے فقیہوں کے ائمہ مصومین کے اقوال نقل کیے تھے اسی طرح وہ بھی ہمارے نبی مصوم کے اقوال نقل کرتے تھے (۴) روایتیں باستانی شاذ و نادر کے ان ادنیٰ طبقے کی کتابوں سے منقول ہیں جہاں صحیح و سقیم ہر قسم کی روایتیں لکھی ہوئی ہیں (۵) ان روایتوں کی سندیں ایسی نہیں ہیں جن سے صحت کا ظن غالب ہو سکے (۶) ہمارے بعض محدثین نے ان حدیثوں کی صحت کا انکار کر دیا ہے

سنت کیا اس تحریر کو دیکھ کر اب بھی کسی کو اس میں شبہ رہ سکتا ہے کہ اہل سنت کے یہاں اتنی حدیثیں ہیں کہ ان کا احصاء شواہد کیوں محال ہے اگر وہ روایتیں تحریف پر دلالت نہیں کرتیں تو پھر یہ جواب کیوں دیا کہ ان روایتوں میں غیر مصومین کے اقوال ہیں کیونکہ مطابق مذہب اہل سنت مصوم تو بخیر ائمہ اہل سنت کوئی نہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غیر مصومین کیلئے صاحب خدا کا وجود۔ رسول کا دعویٰ رسالت قرآن کا نزول تو آپ کو صحابہ کے یہاں سے معلوم ہوا اور تحریف کے لیے احادیث رسول اللہ کی مذہب بجا لگائے انہیں قرآن و حدیث سب سے فوق و اعلیٰ مطہرین طہانہ اہل سنت

ثابت ہو چکا ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔ سلف سے آج تک ہمارے یہاں کوئی شخص عالم سے لے کر جاہل تک تحریف قرآن کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ قرآن موجودہ کو سن جمیع 'وجودہ کام و عمل جانتا ہے اور میں کسی نقصان لگانے والے کو ہلوگ بے دین اور بے ایمان سمجھتا ہوں یہی ایک بات بڑی بات ہے روایتیں اگر ہزار بھی ہوں۔ اور صحت کے بھی اعلیٰ درجہ میں پہنچ جائیں اور بالفرض

(معاذ اللہ منہ) تحریف پر دلالت بھی کریں مگر جب سلف

سے آج تک کسی نے اس پر عمل نہیں کیا تو وہ کیا کام دے سکتی ہیں ہمارا اعتقاد صرف روایت لکھنے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ان کے موافق اعتقاد رکھنے کی بنا پر ہے اب ہم ایڈیٹر صاحب نو مسلم موبہاری۔ مبارک پوری پنڈت جگت پرشاد کو جو ایڈیٹر انجم کے ایسے ایماندار ہیں اور جناب موسوی عین الفقہ صاحب کو حکم قرار دیتے ہیں کہ خدا و رسول کو حاضر و ناظر جان کر فرامین کہنے جو لکھا تھا۔ ہمارے مخاطب اسکے قائل ہیں کہ روایات اہل سنت سے تحریف ثابت ہے مگر علمائے اہل سنت اسکے قائل نہیں کہ ان کماں تک غلط ہے جسے مخاطب نے کذب صریح و دروغ فصیح کا خطاب دیا حالانکہ خود فرماتے ہیں۔ روایتیں اگر ہزار بھی ہوں اور صحت کے بھی اعلیٰ درجہ میں پہنچ جائیں۔ پھر فرماتے ہیں ہمارا اعتراض تو شیعوں پر صرف روایت لکھنے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ان کے موافق اعتقاد رکھنے کی بنا پر بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایڈیٹر صاحب کے نزدیک شیعہ سنی میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ شیعہ روایات کے موافق اعتقاد بھی رکھتے ہیں اور اہل سنت اگرچہ ہزاروں صحیح روایتیں ہیں مگر اعتقاد نہیں رکھتے۔

ایڈیٹر صاحب نے بھی پوری عبارت جو بیان بجواب اثنا عشری لکھا ہے اپنے اخبار مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ جلد ۲ میں لکھا ہے پھر آپ اپنی تقریر میں ناظرہ شیعہ و سنی صفحہ ۲ میں دیکھیے۔ روایت اور چیز ہے اور عقیدہ اور چیز بہت سی روایتیں اعلیٰ پایہ کی صحت پر ہوتی ہیں مگر عقیدہ اس کے مطابق نہیں ہوتا، تو کیا ان تحریر کو دیکھ کر بھی کوئی شخص آپ کی کذابیت میں شک کر سکتا ہے۔

قول منسوب کرتے ہیں۔ یہ یہودہ گوئی اور آنکھوں میں خاک جھونکنا نہیں تو اور کیا ہے۔ بھلا ایسے خرافات کا جواب کیا دیا جائے۔ اور جواب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میرے خیال میں تو یہ تحریر خود ہی اپنے کاتب کی یہودہ گوئی پر شاہد عادل ہے۔

اسی یہودہ گوئی کی وجہ سے بارہا علما ی شیعہ سے کہا گیا کہ آؤ بالمشافہ مناظرہ کریو۔ مگر چونکہ وہ جانتے ہیں کہ بالمشافہ مناظرہ میں دن کو رات آسمان کو زمین کہنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لیے اس سے کوسوں بھاگتے ہیں۔ اور طرح طرح کے بہانے نکالتے ہیں۔ کبھی عدم قابلیت مخاطب۔ کبھی کچھ کہیں کچھ عجز حیلہ جو راہسائے بسیار۔

لہذا دل چاہتا ہے کہ شیعوں کے دماغ سے غائبانہ تحریری مناظرہ کی ہوس بھی نکال دی جائے۔ چنانچہ بوجہ تعالیٰ اس وقت

جمع علما ی شیعہ کو اعلان

دیا جاتا ہے۔ کہ اگر آپ لوگ اپنے مذہب کی حقیقت کا ذرہ برابر بھی وہم رکھتے ہوں۔ تو مستعد ہو جائیے اور آپ سب متفق ہو کر اپنی مجتہد قوت کے ساتھ انجمن کے مقابلہ میں آئیے۔ اور قہر بت خداوندی کا انوکھا لہجہ دیکھنے آپ کی انکار ہر بیسیات کی مشن اور

وہاں تو اس طرح سب باتوں کا اقرار کرائے انھیں باتوں سے جب انہیں نے یہ نتیجہ نکالا۔ مخاطب اسکے تو قائل ہیں کہ وایا اہل سنت سے تحریف ثابت ہے مگر علمائے اہل سنت اس کے قائل نہیں۔ تو فریاد شروع کی۔ چونکہ آپ نے اپنا انکار اپنے مقولہ سے تین بار شائع کیا ہے اور نہایت مستعدی دکھا ہے ہیں لہذا ہم امید کرتے ہیں کہ بہت جلد ان پانچ یا انداز حکموں کا فیصلہ آپ شائع کریں گے۔

اڈیٹر صاحب ہم جانتے ہیں کہ آپ زندہ رہ کر عذاب الہی کا مزہ چکھیے کہ کس طرح خود آپ کی قوم ہرطون سے نفرت کر رہی ہے

جواب از مدیر انجمن

اصلاح کے اس جواب کو نیز اس کی تحریرات سادہ کو دیکھ کر قرآن شریف کی اس آیت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور جو واقعہ اس آیت میں مذکور ہے پیش نظر ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے کہ (آپس میں) کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس (کی تلاوت کے وقت) میں یہودہ کہنا شروع کر دو تا کہ تم غالب آ جاؤ۔

بالکل یہی حالت اصلاح وغیرہ رسائل شیعہ کی ہے غضب خدا کا خود اپنی اس تحریر میں میرا یہ قول نقل کر لے ہیں کہ اول تو وہ روایتیں تحریف پر اصلاح و آلات نہیں کرتیں اور باوجود ایسے صاف و صریح قول کے میری طرف روایات اہل سنت کے دال علی التحریف ہونیکا

ایک ضروری گزارش نے اُسکی جگہ لیلی - آئینہ انشا و امداد کی جگہ

وہ ضروری گزارش یہ ہے

مکہ اڈیٹر صاحب بدر نے اس بحث کے نہ چھاپنے کی وجہ سے
ذکر فرمائی ہیں - (اول) ناظرین بدر اس قسم کی بحثیں بہت دیکھ
چکے ہیں اس وجہ کو تو میں نہیں مان سکتا - بالکل ایک غیر معتقد
بات ہے - جسکو عذر ہار دے سوا کوئی لقب نہیں دیا جاسکتا -

وجہ دوم یہ ہے کہ بدر میں گنجائش نہیں ہے یہ وجہ دوم بھی گو
قابل التفات نہ تھی - لیکن اتنا دلچسپہ عرض کیا جاتا ہے کہ ایڈیٹر
صاحب اس بحث کے لیے دو صفحے یا چار صفحے اپنے گرامی قدر
اخبار میں رُخدادین -

ان صفحات مزیدہ کے کاغذ - لکھائی - چھپائی کے جمع مصارف
اس ناچیز کے ذمہ - انشاء امداد و فربہ رکا بھیجا ہوا حساب بغیر کسی
قسم کی رد و بدل کے ہفتہ وار یا ماہوار جس طرح وہ چاہیں گے ادا
کر دیا جائے گا - بلکہ یہاں تک منظور ہو کہ وہ ہر پرچہ میرے نام اس
رقم پر جو ان صفحات مزیدہ میں خرچ ہوئی ہو یو بھیجا کرین - آپ
میں اس بات کو کہ کوئی عذر ایڈیٹر صاحب بدر کا باقی نہیں رہا
اور آئندہ اشاعت سے اس بحث کا سلسلہ شروع ہو جائے گا
مجھے مولوی کبیر الدین صاحب کی خصوصیت بھی مد نظر نہیں
بلکہ کسے باشند - ایڈیٹر صاحب بدر یا حضرت خلیفہ صاحب جسکو اس
ناچیز کا مخاطب بنانا پسند کریں - مجھے کچھ عذر نہیں - مجھے مقصود و اظہار
حق اور ابطال باطل ہوا اور بس - و کفی باشد شہداً

ان آخروں میں یہ بھی عرض ہے کہ میری بحث کے دو جز ہیں اول
مرزا صاحب کا اپنی نسبت کیا دعویٰ تھا؟ و دوم اُن دعویٰ پر
انھوں نے کیا دلائل پیش کیے؟ ان دونوں جزوں پر علی الترتیب
و بالتفصیل بحث ہونی چاہیے دونوں کا باہم مخلوط کرنا زیادہ نہیں
اصول مناظرہ کی پوری پابندی ہو - اصول مناظرہ سے
مراد وہی قواعد ہیں جو رشتہ دہ و آداب باقیہ میں
ذکور ہیں فقط

راستم مدیر انجم

لغو کوئی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے - یا دین حق غالب آتا ہے - یہ
بھی میری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ آپ اپنے مذہب
کے مخصوصات میں جس سائل کو سب سے زیادہ
زور دار سمجھتے ہوں - اُسی پر بحث کر لیجیے! مگر اس بحث
کے انطباع کے لیے اپنے مذہب کے کسی رسالہ اصلاح
یا شیعہ - یا اثنا عشری وغیرہ کو منتخب کیجیے -

یہ بحث تمامہ آپ کے منتخب کردہ رسالہ میں بھی چھپے
اور انجم میں بھی -

دیکھیں - اب آپ لوگ کیا بہانہ نکالتے ہیں -
اب تو آپ کو زمین آسمان کے قلابے ملانے کا بھی موقع
حاصل ہے -

مرزا صاحب قادیانی کے پیرو

مولوی کبیر الدین صاحب نے انجم کے اُس مضمون
کا جواب بھیجا ہے جو گذشتہ نمبر میں شائع ہوا تھا - مگر میں فسوس
کے ساتھ ظاہر کرتا ہوں کہ اس میں سوا دو ایک خلاف تہذیب اور
دل آزار کلمات کے اور کچھ بھی نہیں ہے - نہ کوئی وجہ بیان کی
کہ آخر ایڈیٹر صاحب بدر کیوں اس بحث کے چھاپنے سے
انکار فرماتے ہیں - نہ اسکا اطمینان دلا گیا کہ بحث شروع ہو جائے
کے بعد قبل از تکمیل حضرت خلیفہ صاحب بحث کے بند کرنے کا
حکم نہ فرمائے گیے یا کہ انکا حکم موثر نہ ہوگا - المختصرہ تحریر بالکل
خارج از بحث ہوتا ہم میں اسکو درج کر دیتا - لیکن اس وقت

بقیہ مضمون متعلق عقدا م کلتوم

سلسلہ کے لیے دیکھئے النجم ۲۱ ص ۲۸

ما کھوں مسلمانوں میں قتل برپا کیا۔ اور خلافت کے پیچھے مدت اقامت بکوفہ کارزار کا میدان گرم رکھا مگر حضرت رسول کی حق تلفی کا انکو مطلق خیال ہی نہوا۔ اور چار ہزار دینار طلالے کر جھٹ پٹ نکاح پڑھایا دیا۔ اور پھر ایک ایسے شخص سے جو (معاذ اللہ خاک بدہن قالمش) کافرو شرک ہو۔ حالانکہ خدا قرآن مجید میں اسکی صریح ممانعت فرماتا ہو۔ تو اس جگہ بجائے اسکے کہ حضرت عمرؓ پر کوئی عیب آئے آپ کے قول کے مطابق حضرت علیؓ پر یہ تباہیتیں وارد ہوئی (۱) کافرو مشرک کو اپنی صاحبزادی دینا (۲) رسول اللہ کی حق تلفی (۳) دنیا کی طمعین دین کا خیال نہ کرنا (۴) ذاتی نقصان کو رسول اللہ کے نقصان پر قدم کرنا (۵) جبین (۶) مہنت۔ اب ضرر سمجھ گئے ہونگے کہ ثبوت نکاح جو ایک متواتر اور متفق علیہ امر ہے اگر حق تلفی کا باعث حضرت عمرؓ کو ٹھہرایا جائیگا تو پہلے حضرت علیؓ اسکے مورد خاص قرار پائیں گے اور اسی نکاح پر حضرت عمرؓ کے کفر کے مدعی خود اپنے کفر کے ثبوت ہو قولہ ابو بکرؓ کی چار سالہ لڑکی پر نظر ڈالی اور اپنے گھر میں لانا چاہا مگر ابو بکرؓ کی بیٹی ایسے دل گردہ کی تھی کہ تھی تو چار برس کی۔ مگر اسنے نہایت جرأت واستقلال سے انکار کیا جس سے آپ کو اسکا بھی یہ جلیگہ کہ عائشہؓ میں وہ اخلاقی

جرأت کیوں نہ ہوئی۔ کیونکہ انکی ولادت اسوقت ہوئی تھی حکیم

ابوبکرؓ کا پیشہ بزازی تھا اور جلاہون کی بزدلی سبکو معلوم ہے

بخلاف ام کلتوم کے جسکی ولادت زور خلافت کے ختم پر ہوئی

اس جگہ اڈیر اصلاح نے عجیب غضب ڈھایا ہے کہ

بنت ابی بکر کو اپنی تمام تقیہ باز اماہون سے متاثر ٹھہرایا

کیونکہ نہ ہوئے آخر صدیق ہی کی لڑکی تو یقین۔ جرأت و

استقلال تو انکی گھٹی میں پڑا تھا۔ بخلاف ان حضرات کے

کہ فرج غضب ہو گئی اور پیشانی پر شکن نہ آئی۔ شاباش

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد۔

اسکے ساتھ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جو اہ تقیہ کرتے تھے

ان کی نسل جلاہون یا اسی طرح کے غلاموں کی تھی (معاذ اللہ)

رہا پیشہ بزازی۔ تو اسکو جلاہون سے نسبت دینا سوا

جلاہے کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اڈیر اصلاح کو بزاز

تک کے معنی نہ آئے جو انکو جلاہا بنانا چاہا۔ اہی جناب

حضرت ابو بکرؓ کے خاندان بھر سے پیشہ جلاہان ثابت نہیں

کر سکتے۔ چہ جائیکہ خود اسے؟ اگر ایمان کا دعویٰ ہے تو

اس طعنہ کا ثبوت دیجیے۔ ہاں چکی پسینا بھی بہت ہی

اعلیٰ پیمانے سے ثابت ہے۔ شاید ابو بکرؓ نے چکی بھی پی ہوگی

بزار ہونا بڑے نصیب والوں کا کام ہے۔ مگر گھانس پینا

چرس کھینچنا کسکا کام ہے؟ گھانس جینے سے تو بزازی

بدرجہا بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حلال پیشہ باعث عار نہیں

مگر جو کسی دوسرے پر عیب لگانا چاہتا ہو وہ عیب خود اپنے
عائد ہو جاتا ہے۔ یہی گنہگار کی صدا جیسی کہہ دی گئی تھی۔
قولہ الحمد للہ کہ اپنے نہایت کشادہ پیشانی سے اپنی جہالت
کا اقرار کیا جب کہ اس حدیث نے ایسا ثابت کر دیا کہ
درجہ بل مرکب بالادہ ہر نامذہبی تصدیق ہوئی۔ کیونکہ جب
روایات فریقین سے ام کلثوم بنت ابوبکر کا مخطوبہ عمر مونا
ثابت ہو چکا تو پھر حدیث کافی کے کس لفظ سے آپ یہ ثابت
کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ ام کلثوم بنت جناب میر کا ہو گیا ہو
حدیث میں صرف فی زواج ام کلثوم بنت ابی بکر بن ابی بکر
فاطمہ۔ تو چونکہ شہرت واقعہ ام کلثوم بنت ابی بکر قرینہ
قوی موجود ہے لہذا وہی متیقن ہوئیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اوصاف جو حضرت علی
نے شیعوں کو دیے ہیں سچی تصدیق ہے۔ یا شبابہ الرجال
ولا رجال حلوم الاطفال وعقول ربات الحبال
(بچوں کی عقل والے پر وہ شیعین کی سمجھ اے)

اسکو جہالت سے بھی ایک درجہ اعلیٰ سمجھنا چاہیے
اہل حق کو معلوم ہو گیا کہ دعوائے مذکور کیلئے ایک ثبوت
بھی نہ پیش کر سکے۔ اولاً آپ کو اصل مسند حدیث کافی
کے متعلق اپنے مذہبی کتب سے استدلال کرنا چاہیے تھا
اور یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ حدیث بنت ابی بکر کی بابت ہے
مگر افسوس کہ آپ نے بجائے اسکے اہلسنت کی ان کتب

سے استدلال کرنا چاہا جو آپ کے صریح مقابل ہیں اور وہ
خود اس نکاح کا اقرار کر رہی ہیں۔ دوم آپ کا یہ دعویٰ
کہ حدیث کافی سے ام کلثوم بنت علی مراد نہیں ہے مخبر
شیعہ کے بلکہ جمہور عقلا کے نزدیک غلط اور باطل ہے اور
انہ شیعہ کو بھی اس قول سے غلطی پر ماننا پڑے گا جنہوں نے
اعتراف کیا ہے اور یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ حضرت عمر کا ایک
لڑکا بھی ام کلثوم بنت علی سے تھا۔ کما فی التہذیب
ثالثاً۔ آپ کا یہ کہنا کہ حدیث میں صرف ام کلثوم ہے اسلئے وہ
مؤید دعویٰ نہیں۔ صریح حدیث کافی کا نہ لکھنا ہے۔ اسلئے
کہ اول حدیث میں خود اہلبیت سے ہونا ثابت ہے دیگر یہ
کہ اس معاملہ میں اگر بنت ابی بکر ہوں تو علی کو کیا واسطہ
ہے۔ کہ وہ انکار کریں۔ عذر کریں۔ اور عباس کو کیل بھی
بنادین۔ حالانکہ رسول اللہ کی لڑکی پر دروازہ دیکھ کر
دینا اور آل لگانے کا قصہ جو حضرات شیعہ نے گڑھا ہے
اُسکو اس قدر بھول گئے کہ اس وقت اسکا خیال بھی نہ آیا
اور زبان سے منع بھی نہ کر سکے۔ یہی حیا داری کا کام
ہے کہ غیر میں کی عزت اور بھلائی کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خبر گیری نہ کرنا۔

اور اس قصہ سے اگر بنت سیدہ نہ ہوں تو لازم
آتا ہے کہ حضرت علی کو حضرت ابوبکر سے بہت دلی خلوص
محبت تھی۔ اور واقعی تھی۔ یہاں تک کہ لوگ شادی غیر

کی بابت بھی انھیں سے درخواست کرتے اور یہی جواب دیتے
گو یا کہ یہ دینی اور وکیل ابو بکر تھے۔ ورنہ اسکی اور صورت کیا ہو
اسیے کے اگر ٹی نہ ہوں تو ان سے استوعا کر نیکی کیا معنی
(۲) اور انکا عذر پیش کرنا کس وجہ سے ہوگا۔ (۳) اور حضرت
عباس سے کہنا کیا فائدہ مند ہوگا (۴) حضرت عباس
کا حضرت علی سے نصیحت کے طور پر کہنا پھر اپنے لئے لایت
مانگنا۔ (۵) حضرت علی کا انکو دینی اور وکیل بنانا اور نکاح
کر دینا۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جو صاف بتا رہی ہیں کہ
یہ واقعہ ام کلثوم بنت فاطمہ کا ہی اور کسی سے اسکو کچھ واسطہ
نہیں۔ ورنہ ان باتوں کی کیا ضرورت تھی؟ رابعاً آپ کا یہ
کہنا کہ چونکہ شہرت واقعہ ام کلثوم بنت ابی بکر قرینہ قوی ہے
لہذا وہی یقین ہوئیں۔ ایک ایسا تبلیس میر جملہ جسکی
تصدیق آپ کو خود ہی حاصل نہیں ہے اور الی قیام الساتر
آپ ثابت نہیں کر سکتے۔ سچ ہے۔ لا تبطلون الباطل کا بطور
الحق۔ آپکا شہرت کا دعویٰ محض زبانی جمع خریج ہو ورنہ
فی الحقیقت بنت سیدہ کی خبر متواتر ہے اور اسکا منکر بیہوش
کا منکر ہے۔ لطف یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو چکا۔ مگر اقرار نکاح
کرتے شرم آتی ہے۔ اللہ ری ہٹ۔ اگر بالفرض ہم شہرت
قصہ بنت ابی بکر تسلیم کر لیں تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ
کہ حدیث کافی جو صریح اہل بیت سے پہنچی گاہ ہو وہ
اس قصہ کی خبر ہو۔ (درد و فراق) ایک ہی واقعہ ہوں بلکہ

ایک مین نکاح ہی نہیں ہوا اور دوسری مین نکاح و اولاد
سب ہوئے۔ پھر دونوں مین کو نساقتا نقص ہے۔

قولہ اب اندرونی شہادتیں اس حدیث کی ملاحظہ ہوں

کہ اسی حدیث میں ہے قال امیر المومنین انہا صبیۃ کہ جبنا

امیر نے فرمایا کہ وہ صبیۃ ہے۔ اب اسکو دیکھیے کہ یہ صفت

بنت ابی بکر پر منطبق ہوتی ہے یا بنت امیر المومنین پر کیونکہ

حضرت ام کلثوم بنت جناب امیر کی ولادت یقیناً عہد

رسول میں ہوئی تھی جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور

یہ عقد یا خطبہ سلمہ میں بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اسحاق

الراغبین میں ہے وکان ذلک فی سنۃ سبعۃ عشر من الهجرة

تو کم سے کم سن جناب ام کلثوم کا سلمہ میں نو برس کا ہونا ہے

ادبیر صاحب کو جب ظاہری شہادتیں ذیل سکین

تو اندرونی (تقیہ کی) شہادتیں لانا شروع کر دیں۔ ہاں

آپنے حساب عجب طرح سے کیا ہے۔ اگر ہم مان لیں کہ

ام کلثوم بنت فاطمہ قبل وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تولد ہوئیں تو بھی نو سال ہو چکی کوئی دلیل نہیں بلکہ کئی

سات سال بھی ہو سکتی ہے۔ شاید آپنے دو سال ضائع

کے شمار کیے ہوں گے۔ لیکن لاختم اعدا لہ (بی بی لہ) ہے

بہر صفحہ ۲۱ پر بھی آپنے اس قول کا صریح خلاف کیا ہے اور لکھا ہے

کہ ام کلثوم کا سن کم سے کم بارہ برس ہوتا ہے۔ کیا یہ صاف

تناقض نہیں ہے؟ یہ آپ کے دونوں حساب از روئے تاریخ

باطل ہوتے ہیں۔ ملا باقر مجلسی نے چار سال لکھے ہیں۔ یہ حساب اپنے کمان سن پایا۔ شاید مجرد تخمینہ ہی جو قابل استناد نہیں۔ اگر نو سال یا بارہ سال جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں ہم تسلیم کر لیں تب بھی صبیہ کا اطلاق کیوں نہیں ہو سکتا آپ کسی جفر جامع سے سند لاتے تو معلوم ہو جاتا۔ مگر اپنے حسب عادت محض بے دلیل بات کہہ دی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اگر شادی نہ کرنا منظور ہوتا ہی تو اسی طرح کا بہانہ کیا جاتا ہی جو فی الحقیقت صحیح بھی ہے۔ ہم نہایت افسوس سے کہتے ہیں کہ ایڈیٹر اصلاح نے جو شہادت اندرونی (تقیہ نازی) ظاہر کی ہے وہ صریحاً انھیں پر معکوس ہو گئی بلکہ ظاہری اور صاف ہو کر جیسا کہ حضرت علی نے امیر معاویہ کی بابت کہا ہے۔ والظاہر ان دینا واحد و مبینا واحد و لانتزید ہم نے الاسلام (یعنی ظاہر ہے کہ ہمارا دین ایک ہے اور نبی ایک ہے اور ہم ان کے اسلام میں کسی طرح کا نقصان نہیں پاتے) اس اندرونی شہادت کا علمائے شیعہ نے خود ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ماہاقر نے لکھا ہے۔ نیز خود ایڈیٹر صاحب کے کلام میں تناقض ہے۔ کبھی بارہ کہتے ہیں کبھی نو۔ وذلک صریح البطلان۔ اور نو سال کی لڑکی صبیہ کیوں ہے۔ اسکی دلیل کچھ بھی نہ دی۔ اگر بالفرض بالغ ہو تب بھی ماں باپ صبیہ نہیں کہہ سکتے۔ اسکی تفصیل کرنی ضروری تھی اور جگہ گذشتہ اعتراضات پھر بھی باقی ہیں۔

قولہ عرب کی لڑکی نو برس میں عام طور سے بالغ ہو جاتی ہیں۔ پھر انہیں صبیہ کا اطلاق کرنا اور حضرت علی کا عذر کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ عذر حدیث روایت کافی ہی میں نہیں ہے بلکہ صد ہا روایات اہلسنت میں اسکی تصریح موجود ہے کہ ام کلثوم اس وقت چار سال تھیں مختصراً آپ نے اب تک دعویٰ کیلئے دلیل کا ہونا کوئی ضروری امر نہ سمجھا۔ ہر بات کو جیسا جی من آیا لکھ ڈالا۔ پہلے دلیل دیکر ثابت کرنا چاہیے۔ اس عذر کا جواب ہم نے دے دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ ایسا عذر نہیں ہوتا آدمی جب نکاح میں نہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے بیسیوں بہانے کرتا ہے۔ اور شیعہ کے یہاں تو تقیہ کے جواز بلکہ وجوب میں بھی شبہ نہیں۔ پھر صبیہ کا لفظ تقیہ کیوں نہ ہو۔ اگرچہ مورخین بنت سیدہ کو چار سال لکھتے ہیں۔ مگر ہمارے نو سال ماننے میں بھی کچھ نقصان نہیں ہے۔ اپنے ان صدمہ کتب اہلسنت سے دو چار کی عبارت نقل کی ہوئی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ بنت سیدہ تھیں یا بنت ابی بکر۔ مگر افسوس کہ آپ ایک کتاب کی بھی سند نہ دے سکے اور پہلے جو ثبوت برائے نام پیش بھی کیے وہ آپ کے مدعا کے صریح مخالف ہیں۔

قولہ ام کلثوم بنت سیدہ نے اپنی والدہ سے سماع کیا اور ذک کی بابت گواہی میں ان کا نام بھی لکھا گیا تھا اور

اصول محدثین کے مطابق سماع کا سن کم سے کم پانچ سال ہونا چاہیئے۔ تو سنہ میں ام کلثوم کا سن پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ تو سنہ میں بارہ برس کی ہوئیں۔

اس جگہ ڈیڑ صاحب نے دعوے کیے ہیں جس پر ایک تفریح کی ہے۔ پہلا دعویٰ یہ ہے کہ ام کلثوم نے اپنی والدہ جناب فاطمہ الزہراء علیہا السلام سے تحمل کیا ہے اور سماع حاصل کیا ہے۔ مگر اسکے لیے کوئی صحیح اور سادہ دلیل نہیں پیش کی گئی۔ ایک روایت جسے مجہول کہا جاتا ہے پیش کی۔ وہ بھی معتمد کتب سے ماخوذ نہیں بلکہ ایک بے سند کتاب سے۔ جس میں لفظ عن سے روایت ہے جو اصول محدثین پر محتمل سماع و عدم سماع ہے اور اس سے ثبوت کسی طرح کا نہیں ہو سکتا۔ دیگر یہ کہ بیان حدیث کافی سے بحث تھی۔ آپ اپنے اہل مذہب کی نقل صریح لاتے۔ اور اگر کچھ احتجاج تھا پیش کر کے دلائل کرتے۔ مگر

ادھر ادھر ہاتھ پھیلانے سے کیا نتیجہ ہے۔ دوسرا دعویٰ آپ کا یہ ہے کہ ام کلثوم بنت جناب سیدہ کو فدک کے واقعہ میں شاہدوں میں شمار کیا گیا ہے۔ مگر تعجب خیز امر یہ ہے کہ آپ نے یہ خانہ سازانہ افتراء بغیر ثبوت کے پیش کر دیا۔ برا نام بھی ثبوت نہ لکھا۔ اور کبھی اس دعوے کا ثبوت آپ سے نہ ہو سکتا۔ آپ (آیت پڑھ کر) بتلائیے کہ یہ دعویٰ کمر جھٹ سے اخذ کیا ہے۔ مگر یہ کہ کسی تقہر باز امام

راستہ میں ملاقات کر کے بتلایا ہو۔ ورنہ آپ اس بات کو اپنے مذہب سے بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ نیز اگر اللہ میں پانچ سال ہوں تو سنہ میں بارہ سال کس طرح سے ممکن ہیں۔ کیا یہ بھی حدیث کافی ہے جسے عوام نہیں جانتے کہ پانچ اور چھ گیارہ ہوتے ہیں نہ کہ بارہ۔ یہ آپ کی لیاقت ہے۔ اگر کسی طفل مکتب سے دریافت کر کے لکھتے تو اس قدر فاحش غلطی نہ کرتے۔ کیا آپ کی گذشتہ اور آئندہ تمام غلطیاں اس سے کم ہیں؟ مگر کہ نہیں۔ مگر عوام پر غرضی رہتی ہیں۔ پس واضح ہو گیا کہ آپ کے دونوں دعوے باطل ہیں۔ جنہر آپ نے تفریح کی تھی۔ پھر آپ کا تحفہ عمر بھی محض خیالی ملاؤ

قولہ تو پھر یہ حدیث کافی یا صد بار و اتین اہل سنت کی جنہر ان کی تصریح ہے کہ چار پانچ برس کا سن تھا کیونکر صحیح ہو سکتی ہے حدیث کافی میں چار پانچ برس کا لفظ نہیں ہے۔ اس کی تصریح ہی ہے۔ البتہ جس کتاب میں چار پانچ برس کا ذکر ہو وہاں بنت سیدہ کی نہایت صاف صریح الفاظ میں شہادہ ہے۔ حکماء۔ آپ نے صد ہا کتابوں کا ذکر کر دیا مگر ثبوت ایک بھی نہ دیا۔ کیا یہ ابلہ فری نہیں ہے۔ اور جبکہ اٹھ بارہ سال۔ یا نو سال۔ یا گیارہ سال ہونا ثابت نہیں ہے تو لامحالہ وہی صغریٰ کا عذر کیا ہے جس میں کوئی کلام نہیں۔ پھر بنت ابی بکر کا ذکر کرنا اور اس بہانہ سے آفتاب سے مشہور واقعہ پر خاک ڈالنا

اہل عقل و دانش سے بہت بعید ہے۔ اس فقرہ (اِنَّهَا صَبِيَّةٌ) سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اور ان باپ پندرہ بیس سال تک سچا ہی کہتے ہیں۔ آپ اپنے دعوے کیلئے ثبوت لائے ورنہ قابل سماعت نہیں۔ رہا حدیث کا غلط ٹھہرنا وہ اس صورت کے علاوہ بنت ابی بکر کے تسلیم کر نیکے وقت بھی باقی ہے۔ اسلئے کہ فرج غصبناہ نکاح صاف و صریح ہونا اور بیان ہو چکا ہے۔ اور آپے سلیق خطبہ ہی سے انکار کر دیا۔ پس ائمہ وغیرہ مجتہدین سب کا وہ ٹھہرے جو اسکا اقرار کرتے تھے۔

قولہ روایات اہل سنت میں یہ بھی یقینی طور سے مذکور ہے۔ کہ
ام کلثوم زوجہ عمر اور اسکے بیٹے زید نے بروز واحد معاویہ میں انتقال کیا۔ جسکی میراث اور نماز جنازہ میں تکرار ہونی حالاً اتفاق فریقین ثابت ہے کہ جناب ام کلثوم معرکہ کربلا میں شریک تھیں تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ جو ام کلثوم بعد معاویہ چلی ہو وہ معرکہ کربلا میں زندہ ہوئے۔

اس جگہ آپ کی پہلی تلیس قابل واد ہے۔ کہ شکہ آپ اپنی تواریح و کتب حدیث مثل تہذیب وغیرہ دیکھئے جمیع یہ بات صاف طور سے موجود ہے کہ ام کلثوم بنت سیدہ اور اُنکا بیٹا زید بن عمر بن الخطاب دونوں ایک ہی وقت میں فوت ہوئے اور انکی میراث آپس میں نہیں بنی۔ کما تقدّم۔ پس آپکیہ کہنا کہ اہل سنت کی روایت سے یہ ثابت ہے۔ محض دھوکہ دہی

نہیں تو اور کیا ہے۔ رہا ام کلثوم کا معرکہ کربلا میں موجود ہونا یہ آپنے محض مجرد دعوے پر اکتفا کیا ہے اور وہ قابل سماعت نہیں۔ ہاں آپنے جو تاریخ وفات ام کلثوم بتلائی ہے اسکو بھی ثابت کرنا آپ کے فتنے ہے۔ آپ نے اس جگہ فقط ام کلثوم کھٹا حالانکہ متنازع بنت سیدہ میں ہے۔ لہذا لازم ہے کہ اپنے ان دعاوی کی دلائل مع تصحیح نقل کر کے آیت مذکورہ سے بچیں۔ نیز جناب من۔ آپ ان دونوں مضمونوں میں تطابقی بھی دے سکتے ہیں کہ اصل سبب حدیث کافی بابت نکاح ام کلثوم بنت سیدہ با حضرت عمر فاروق ہے جو روز روشن کی طرح صاف صریحاً ثبت مدعا ہے۔ اور آپ اُنکی وفات کو پیٹ لیتے ہیں ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ انکی وفات کے متعلق اگر کہیں کچھ لکھا ہے تو غلط ہے۔ مگر حدیث کافی و تہذیب کا کیا جواب ہے؟ جو صاف اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ ام کلثوم کا عمر سے نکاح ہو گیا۔ آپ پہلے نکاح کو تو مانے۔ پھر یہ دریا کرنا کہ یہ وفات جو لکھی ہے یعنی بعد معاویہ میں کس طرح صحیح ہو سکتی ہے اسلئے کہ حضرت عمر تو معاویہ کے عہد کے بعد تھے نہ قبل مقام حیرت ہے کہ جس مدعا کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اسکے لیے اجنبی مقدمات چلو اسلئے مدعا سے کوئی علاقہ نہیں ثابت کیے جاتے ہیں اور۔ بیادہ لوگوں کو لمبی کتاب بنا کر بول کھلایا جاتا ہے۔

قولہ اصلیت اسکی یہ ہے کہ جناب فخر الحکام مدظلہ نے

کنز کثوم اور دفع الوثوق میں نہایت تحقیق سے ثابت کیا ہے

کہ عمر کی تین زوجہ کا نام ام کلثوم تھا۔ جس میں سے ایک

مادر زید بن عمر تھی اور عمر نے ام کلثوم بنت ابی بکر سے عقد کا

قصد کیا اور ادھر سے انکار ہوا۔ انھیں وجہوں سے علما

اہل سنت کو بسبب اشتراک نام مغالطہ ہوا اور ان سبب

کو حضرت ام کلثوم بنت سیدہ سے منسوب کر دیا۔ حالانکہ

نہ حضرت ام کلثوم کیسے کبھی عمر نے کہا تھا اور نہ کبھی عقد

کیونکہ دونوں بہنوں کا عقد تو عبداللہ بن جعفر طیار اور

محمد بن جعفر طیار سے پہلے ہی ہو چکا تھا جس پر کامیابی سنت

کا اتفاق ہے۔

سجناک ہذا بہتان عظیم۔ شیعہ حضرات اس قدر

وقاحت سے کام لیتے ہیں جسکا ذکر نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ

کذب بیانی اور تکبیس کو اپنا شعار سمجھتے ہیں اور اسی کے

کاربند ہیں۔ مافخر الحکماء نے اس جگہ جو تقریر کی ہے الف سے

یے تک ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ اور تا بقیام ساعت

جميع اعوان مذہب ابن سبا اسکو ثابت نہیں کر سکتے۔ مگر

زبان سے بڑبڑانا اور جو چاہے بکدینا بہت آسان ہے

ہم ان کے ایک ایک جملے کی خبر لیتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں

لے ہمنے اس مضمون کے لکھنے کے بعد کنز کثوم کا مطالعہ کیا

تو معلوم ہوا کہ مضمون بالکل اسیکا مختص ہے۔ ہم کسی دوسرے مضمون

میں اسکی قلعی بھی کھوین گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

زید بن جعفر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہایت صحیح ہے۔ لا تبطلون الباطل

کا باطل کم الحق ہے فی الحقیقت کبھی شیعوں کو تحقیق کی بھی نہیں پہنچی

اور نہ وہ تحقیق کو سمجھ سکتے ہیں۔ محض عقول الاطفال معلوم

ربات الجال کے مصداق ہیں۔

(اولاً) اُنکا یہ قول کہ حضرت عمر کی تین زوجہ کا نام ام کلثوم

تھا۔ گورنر شتر ہے۔ اور اسکو دلیل سے کچھ بھی تعلق نہیں ورنہ

اُن کو ثابت کرنا چاہیے تھا۔

(ثانیاً) ہم کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی تین بیویوں کا نام

کے نام سے ہونا ہماری دلیل ہے نہ کہ تمہاری۔ اسلیے کہ اگر یہ ثابت

ہو تو بنت سیدہ بھی اس میں داخل ہونگی۔ اور اگر داخل نہ ہوں تو

بھی عدم ثبوت پر دلیل کیا ہے۔ باوجودیکہ ثبوت کمال موجود ہے

(ثالثاً) ام کلثوم جب کار کا زید بنی ملا صاحب نے اُس کا

اقرار کیا ہے وہ راجح ہے مگر تھی۔ اور تہذیب سے ثابت ہو چکا ہے

کہ وہی بنت سیدہ تھی۔ پس ام کلثوم مشکوٰۃ حضرت عمر بنت

سیدہ ہیں۔ اور اسکے سوا کوئی زید کی والدہ نہیں ہیں۔ و

الاثبات کیا جائے۔

(دابعاً) ام کلثوم بنت ابی بکر کے ذکر سے کیا فائدہ ہے؟

اسلیے کہ نہ یہ ان تین انواع میں داخل ہیں۔ نہ حدیث کافی

سے اُنکو کچھ تعلق ہے

(خامساً) جبکہ بقول ملا صاحب حضرت عمر کی تین

ازواج کا نام ام کلثوم تھا۔ پھر ان میں بنت سیدہ کا ہونا مذہب

سے ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ تہذیب میں صاف لکھا ہے کہ وہ مکشوم
بنت سیدہ کے لڑکے ہیں۔ پس علمای اہل سنت کو کیوں مغالطہ
ہوگا۔ بلکہ یہاں شیعہ کے لیے چند مغالطے ہوں گے۔ ایک یہ کہ جملہ
ائمہ شیعہ معصوم نہ رہیں گے۔ اس لیے کہ نصب ام کلثوم کے
قائل تھے۔ اور یہ بنت ابی بکر نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے کہ اس
کناح ہی نہیں ہوا اتفاق فریقین (۲) کافی و تہذیب موضوع
و خرافات ٹھہرنے لگی۔ اس لیے کہ ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت
عمر نے بنت سیدہ سے کناح کیا اور بچہ ہوا (۳) مجتہدین شیعہ
کاذب ٹھہریں گے۔ جو قرآن بعد قرن اسکا اقرار کرتے آئے ہیں
اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ (۴) فقہائے شیعہ جنھوں
نے اس سے مسئلہ نکالا ہے۔ مصل ٹھہرنے کے اور مغالطہ میں
پھنسے ہوئے۔ (۵) یہ ثابت ہوگا کہ حضرت علی حضرت ابو بکر
سے بہت ہی سبیل چول رکھتے تھے بلکہ ان کے وکیل اور ولی تھے
و نہ ان سے منگنی کرنے کی کیا وجہ ہے۔ انی غیر ملک۔ (۶) کسی
اہل سنت نے ایسے واقعات میں ایک کو دوسرے کی طرف
نسبت نہیں دی۔ اور یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تین ام کلثوم
زوجہ جناب محمد تھیں۔ جس پر یہ تفریع ہے۔ (۷) اگر مان لیا جائے
کہ تین بیبیاں حضرت فاروق اعظم کی بنام ام کلثوم تھیں اور
اہل سنت نے بنت سیدہ کی طرف سب کو منسوب کیا تو لازم
آئیگا کہ تمامی ائمہ شیعہ و مجتہدین نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ کیونکہ
وہ بھی اس بات کے منکر ہیں۔ (۸) ام کلثوم کی بابت حضرت

فاروق کا منگنی اور عقد کرنا خاص کافی اور تہذیب وغیرہ
کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ پھر انکار محض جہالت نہیں تو
اور کہا ہے۔ (۹) ام کلثوم کا محمد بن جعفر طیار سے اول عقد
ہونا کسی ایک جگہ ثابت نہیں۔ چہ جائیکہ فریقین متفق ہوں
بلکہ فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ بعد حضرت عمر کے محمد بن
جعفر طیار سے نسبت ہوئی۔ چنانچہ مجالس المؤمنین میں
بالصریح موجود ہے۔ اور معروف ابن قتیبہ صنف پر ہے۔
واما ام کلثوم الکبریٰ وہی بنت فاطمہ فکانت عند عمر بن الخطاب
و ولدت له ولد اقد ذکرنا ہم فلما قتل عمر تزوجا محمد بن جعفر بن
ابی طالب فمات عنہما ثم تزوجا عون بن جعفر بن ابی طالب
فمات عنہ۔ یعنی ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمر فاروق
کے نکاح میں تھیں اور دو اولاد ان سے ہوئیں۔ ایک لڑکا اور
ایک لڑکی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے
تب محمد بن جعفر طیار سے انکی نسبت ہوئی۔ اور وہ بھی مر گئے
تب انکے بھائی عون بن جعفر نے ان سے نکاح کیا۔ اور ان کے
پاس قوت ہوئیں۔

یہ شہادتیں صاف و صریح ہیں کہ محمد بن جعفر طیار
جو کناح حضرت ام کلثوم کا ہوا تھا۔ وہ بعد عمر فاروق تھا
نہ قبل۔ پس یہ کہہ دینا انکا کناح حضرت عمر سے کیونکر ہو سکتا
ہے۔ شیعہ حضرات کی چالبازی اور پُرانی پڑا لیبی ہے نہ
دلیل سے کوسوں دور۔ (۱۰) یہ کہنا کہ محمد بن جعفر طیار

سے پہلے نکاح ہو چکا تھا جب پر تہی اہل سنت کا اتفاق ہو
سرپر غلط اور محض اقترا ہو۔ امام ستور کے آنے تک یعنی
ابوالاباد شیعہ اسے ثابت نہیں کر سکتے۔ اس جھوٹک کا کچھ
ٹھکانا ہو؟ کہ ایک سنی بھی اسکا قائل نہیں اور وہاں اتفاق
کہا جاتا ہو۔ سچ ہو۔ اذالم تسبح فاصنع ما شئت من حبیبی
بن جائے تو جو کچھ تیرا جی چاہے وہ کر (افسوس۔ یہ لوگت
برائے نام ٹوٹا پھوٹا بھی ثبوت نہیں رکھتے۔ اور اس طرح
صاف تلبیس کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اتفاق نقل کرتے
شرم نہیں کرتے۔ اول اہل شیعہ سے اتفاق نقل کے پتھر
اہل سنت سے۔ گھر کی تو خبر نہیں۔ مگر باہر حکم لگا دینا
بہت آسان ہے۔ و تاک عشرة کاملہ۔

قولہ۔ ”تو اچھی طرح سے معلوم ہوا کہ اس میں اور سائر ولایا
اہل سنت میں ام کلثوم بنت ابی بکر ہی مراد ہیں۔ کیونکہ یہ تو
معلوم ہو چکا کہ عمر نے ام کلثوم بنت ابی بکر سے عقد کرنا چاہا
اور عائشہ نے قبول کیا۔ خود ام کلثوم کے انکار سے یہ اضطراب
پیدا ہوا کہ عمرو بن عاص نے تار مار لیا۔ جسکی اہمیت نمایاں ہو۔“
اس تقریر کو حدیث کا نام سے اور اہل سنت سے
کچھ تعلق ہے۔ اور غصیب مثلاً لفظ صریح غصیب پر
دلالت کر رہا ہو۔ چہرہ سکہ بنت ابی بکر پہ تطبیق کرنا۔ ایک چھوٹے
ووافقون میں گناہ ہو۔ ایک یہ کہ اہل بیت کی تکذیب کرنا۔
اور کتب شیعہ میں کہ ان کے نسب صحیح ہے۔ تو وہ منافقان ہیں۔

سے اہل بیت کا بڑا خلوص اور میل جول ماننا۔ ورنہ اس معاملہ
سے انکو کیا کام تھا اور (غصیب) اور (نا) ایسے الفاظ
کیون لائے نیز حضرت علی سے شگنی کی بابت کیون کہا جاتا
اسکا جواب شیعہ صاحبان یہ دیتے ہیں۔

”اور چونکہ زوجہ ابی بکر زوجیت جناب امیر میں تھی۔
جس سے محمد بن ابی بکر آپ کے ساتھ تھے۔ لہذا حضرت کو بھی
کسی طرح مداخلت کرنی پڑی۔ جس سے اور بھی قصہ نے
طول پڑا ہوگا۔“

یہ احتمال اس قدر معنی ہے کہ اسکا قائل خود اس کو
لفظ شک سے تعبیر کر رہا ہو۔ اور پہلی خطا اس میں یہ ہے کہ زوجہ
ابوبکر کو نبی حضرت علی کی زوجیت میں تھیں ام کلثوم کی والدہ
یا اور کوئی۔ اور ام کلثوم کے پاس تھیں شیعہ صاحب نے اپنی
برائی عادات کے مطابق نہ اسکی کوئی تحقیق کی نہ ثبوت دعو
بیان کیا۔ مگر ہم تحقیق کیے دیتے ہیں۔

ام کلثوم کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خاریہ بنید
الانصاری ہو۔ اور یہ حضرت علی کی زوجیت میں نہ تھیں۔
بلکہ حضرت علی کی زوجیت میں اسماء بنت عمیس ہیں۔ جسے
محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ پس حضرت علی کو ام کلثوم سے
کیا واسطہ۔ اور ام کلثوم حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس
تھیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ زوجہ حضرت ابوبکر جو ام کلثوم
کی والدہ ہیں وہ حضرت علی کے نکاح میں نہ تھیں بلکہ دوسری

جبکہ حضرت علی خود وکیل ودلی تھے۔ تو حضرت عباس کو
فکر کیا کیوں بنایا اور انکو کام کیوں سپرد کیا۔ جو (فجعلہ الیہ)
سے معلوم ہوتا ہے۔

افسوس شیعہ حضرات کوئی بات سمجھ بوجھ کر نہیں کہتے
بلکہ ادھ ادھر سے نقل کر دیتے ہیں۔ اور اصل سبب سے
خارج ہو کر طرح طرح کی طوطی بیانیان گاتے رہتے ہیں جس
اصل مقصود کا خون ہو جاتا ہے۔ ناظرین اگتا جاتے ہیں اور
عقلہ حمل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔

ہاں۔ حضرت عباس کی بزرگی کا ذکر عجیب و
غریب۔ حالانکہ حضرات شیعہ حضرت عباس کو (معاذ اللہ)
ولد الزنا سمجھتے ہیں۔ نیز انکی کتب مقبرہ میں زین العابدین
سے مروی ہے کہ آیت ومن کان فی ذہ اعلیٰ فہو فی الآخرة اعلیٰ حضرت
عباس اور انکے بیٹے عبد اللہ بن عباس کی بابت نازل ہوئی
ہے۔ متفق علیہ اکثر شیعہ کے نزدیک یہی ہے کہ وہ پورے مسلمان
و مومن نہ تھے۔ پھر سب کے نزدیک انکی فضیلت کیونکر مسلم ہو سکتی
ہے؟ ولد الزنا کہہ دینا آپ کو یا د نہیں کہ کون کہتا ہے۔

اللہ اکبر ان حضرات کو اس قدر گندہ دہانی کر کے ترمیم نہیں
آتی۔ رسول اللہ کے گھرانے والے مسلمانوں کو اس طرح
کے قبیح الفاظ سے یاد کرتے ہیں جسکا کوئی معمولی آدمی بھی
متحمل نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی مسلمان اور محب اہلبیت بنتے ہیں
بی بی فاطمہ کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں۔

زوجہ یقین۔ پس یہ کہنا باطل ہو گیا کہ (چونکہ زوجہ ابی بکر انکی
زوجیت میں تھی۔ اسلئے دخل دینے کی ضرورت پڑی)۔ دوسرے
یہ کہ حضرت علی اگر دخیل تھے تو ولی تھوڑی تھے۔ جو انکی طرف

خطبہ کیا گیا۔ اور حدیث کالی میں صاف موجود ہے لما خطب الیہ
تیسرے یہ کہ حضرت علی کو صاف مقابلہ کی کیا ضرورت تھی
جس سے معاملہ اس قدر طول پکڑ گیا۔ اسلئے کہ جب انکو طحطا
حقیقی دخل نہ تھا۔ پھر بقایہ اپنے نفس پر مصیبت لانا اور
اپنے شیعوں کو تکلیف میں پھنسانا کیوں اختیار کیا۔ چوتھے

اول خروج کہنے والے کیونکر چھے ہون گے؟ اسلئے کہ بنت
ابی بکر کا خروج غصب باتفاق فریقین ثابت نہیں ہے۔
قولہ ”پھر حضرت عباس پر عمر نے دھکی دی ہوگی جس سے
حضرت عباس کو اس طرح گفتگو کرنا پڑی۔ کیونکہ عمر صاحب کا
مزاج سب کو معلوم ہے۔ اور حضرت عباس کی بزرگی بھی سب
جانتے ہیں۔ لہذا انھوں نے اس طرح اس قصہ کو رفع
دفع کرنا چاہا۔“

یہ عذر بھی مطابق عدل گناہ بتراز گناہ ہے۔ اولاً جبکہ
حضرت علی کو بنت ابی بکر سے واسطہ ہی نہ تھا تو اس صورت
میں حضرت عباس سے کہنا کہلو نا بیج ہے۔ دوم انکی سفارش
محض لغو ہوگی۔ اسلئے کہ جب ایک شخص کے ہاتھ یہ معاملہ
نہیں۔ اس کے پاس سفارش لیجانا فضول نہیں تو اور کیا ہے
اور ایسی ہی سفارش کیونکر خیال میں آ سکتی ہے۔ سوم

الحاصل نکاح جناب امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ
ام کلثوم بنت حضرت علی ابن ابیطالب - از فاطمہ الزہراء
رضی اللہ عنہا ثابت ہو گیا۔ اور جو کچھ جدید خیالات بعض شیعہ
مجتہدین نے نکالے تھے وہ باطل و ہباء و منور ہو گئے۔
چونکہ شیعہ حضرات اصل بحث سے ہر وقت گریز
کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم جا بجا اسی مضمون میں ثابت کر چکے
ہیں۔ لہذا اگر کوئی شیعہ ٹھکانے کا جواب دے تو قابل نظر
ہوگا۔ والا یہ سچ سمجھا جائیگا۔ اصل بحث سے علاوہ گفتگو
کرنا لغو اور بچہ ہے۔ واللہ الموفق۔

راقی
ابو عبد اللہ محمد السورقی نقی اللہ

ازہیر النجم عافاہ ربہ الکریم

فاضل مضمون نگار کی تحریر کے بعد اگرچہ کچھ لکھنے کی
حاجت نہ تھی۔ مگر بطور تخلص کے عرض کیا جاتا ہے۔

عقد ام کلثوم کی بحث میں تین امور قابل تحقیق ہیں
اول اس نکاح کے ثابت ہو جانے کا نتیجہ کیا ہے۔ دوم یہ
نکاح ثابت ہی نہیں؟ اس ضمن میں پھر دو مباحث ہیں۔
(الف) یہ نکاح فریقین کی کتب سے ثابت ہے؟ یا صرف
کسی ایک فریق کی کتب سے (ب) فریقین کا عقیدہ اس

نکاح کے متعلق کیا ہے۔ سوم یہ نکاح کس طرح ہوا۔؟
امراول کے متعلق تحقیق یہ کہ اس نکاح
کے دو نتیجے ہیں۔ ایک نتیجہ وہ جو اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص
تھا۔ یعنی یہ کہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت مرتضیٰ کے درمیان
میں روابط اتحاد کا ترقی پانا جو ایسی قرابتوں کے لیے لازم
ہے۔ دوسرا نتیجہ وہ جو ہر زمانہ میں حاصل ہے۔ اور یہی
دوسرا نتیجہ اس نکاح کے واقعہ کو دینے سے حق تعالیٰ کو
مقصود تھا۔ یہ نتیجہ بخدا ان حجج الہیہ کے ہر جو اپنے بند و پیر
قائم فرماتا رہتا ہے۔ وہ نتیجہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اپنے
علم ازی سے معلوم تھا کہ اسیدہ زمانہ میں کچھ بد بخت
ایسے ہونگے جو کلمہ اسلام کے معنی ہوں گے اور کلمہ اسلام
یعنی حضرت فاروق اعظم جیسے برگزیدہ امام پر نفاق و
ارتداد کی قہقہہ لگائیں گے۔ اس نکاح نے ان کا منہ بند
کر دیا۔ اب کچھ چارہ نہیں۔ یا تو حضرت مرتضیٰ کو بھی مرتہ
و منافق کہیں۔ یا اس امام برحق پر نفاق و ارتداد کی تہمت
سے فارغ خطی لکھ دیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ حضرت فاروق اعظم کی کچھ
تفضیلت اس نکاح سے ثابت ہوتی ہے انہی کو تہذیبی بد
منی ہے۔ حضرت فاروق اعظم کی کچھ تفضیلت اس نکاح میں
نہیں۔ اگر تفضیلت ہے تو ام کلثوم کی کہ ان کو ایسے امام برحق
کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت فاروق اعظم کی

فضیلت کے لیے خدا و رسول کا کلام پس ہے۔

اب رہا یہ امر کہ حضرت فاروق نے اس نکاح کی درخواست کے وقت فرمایا تھا کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاہرت کا شرف حاصل کرنے کے لیے اس نکاح کا خواہشمند ہوں۔ یہ محض اُن کی توجہ تھی کہ اپنی ذات اقدس کو فضائل سے معراجتے تھے اور ایسی ایسی جزئیات کو اپنے لیے باعث شرف سمجھتے تھے

وہ این است سعدی کہ مردان راہ

بعزت نہ کردند بر خود نگاہ

ازین بر ملائک شرف داشتند

کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

امرد دوم۔ ضمن الف کی تحقیق یہ ہے کہ

یہ نکاح فریقین کی کتب سے ثابت ہے۔ کتب شیعہ سے

تو جیسا فاضل مضمون نگار نے ثابت کیا۔ اور کتب

اہل سنت سے جیسا کہ مولانا حیدر علی صاحب رحمہ اللہ

و مولانا فلیل احمد صاحب مدظلہ نے اپنی کتب میں

ثابت نہ فرمایا۔

امرد دوم ضمن ب کی تحقیق یہ ہے کہ اس

میں تو اس نکاح کی کوئی ایسی اہمیت ہے نہ اسکی بابت

کوئی اختلاف۔ مگر شیعوں کے مذہب میں اس نکاح

کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کے مذہب کا گمراہ و مذہب اس

سے بگڑا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان میں بڑا اختلاف

ہے۔ کوئی قائل ہے کوئی منکر۔ منکرین نے ہر وقت میں

اُس وقت کے مناسب حیلے نکالے ہیں۔ کسی نے

ام کلثوم بنت ابی بکر کا نام لیکر اشتباہ پیدا کرنا چاہا اور

کسی نے ضبیہ کے دامن میں پناہ لی۔ مگر علمائے اہل حق

نے ان سب خرافات کا ابطال کر دیا ہے۔ چنانچہ

البحم کی کہنی گزشتہ جلد میں (جس میں نواب صاحب

راپور کے بھتیجے سے گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے) یہ بحث

مبسوط مذکور ہے۔

امرد سوم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نکاح برضا و

رغبت ہوا۔ اور جو شیعہ اس نکاح کو مانکر حضرت

علی کا مجبور و مکرہ ہونا بیان کرتے ہیں (جیسا کہ کافی

کی روایت میں غصب فرج کے شیخ لفظ سے اس جہر

داکراہ کو بیان کیا ہے) وہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے

کہ لا ینفیٰ۔ فقط

قطع تاریخ وفات محمد علی خان غفرلہ بکرت آئی خان ساکھ

ان تواریخ کی تصدیق

دیکھ کر سوا گرا گیا

سبب شہرہ عبادت ہے

جہاں کوئی کوئی نہ

چشم گوئی کہ

خدا کو تحسین

۲۵

بسم الله الرحمن الرحيم
حاضرًا أو مصلًیًا

تتقید کتاب استبصار

(موسوم بہ)

کشف الاستار

واضح ہے کہ مذہب شیعہ میں حدیث کی یہ چار کتابیں صحت و اعتبار کے اعلیٰ درجہ میں رکھی گئی ہیں
کافی - تہذیب - استبصار - من لا یحضرہ الفقیہ - انہیں چاروں کتابوں کو وہ لوگ اصول اربعہ کہتے ہیں۔
کتاب کافی تصنیف ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ صد و بہشت و نہم ہجری کی ہے۔ اور کتاب
تہذیب و استبصار و نوون تصنیف ابو جعفر محمد بن حسن بن علی طوسی متوفی ۳۲۰ھ چار صد و شصت ہجری کی ہے۔
اور کتاب من لا یحضرہ الفقیہ تصنیف ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی ملقب بہ صدوق متوفی ۳۲۱ھ
صد و سی و یکم ہجری کی ہے۔

یہی چار کتابیں ہیں جن پر مذہبِ نبوی کی بنیاد ہے۔ ان چاروں کتابوں کی حالت ظاہر ہو جانے کے بعد میدانِ صاف ہے۔ اور اس گھبروندہ کا خیاالی وجود بھی شاہوا ہے۔

اگرچہ مناظرہ کے حصص گزشتہ میں ان چاروں کتابوں کی حالت کما فیضی علی الوجہ الکی بیان ہو چکی ہے جس کا خلاصہ محض بطور نمونہ کے نقشہ گزشتہ میں دیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت بعونہ تعالیٰ ارادہ کیا گیا ہے کہ ان چاروں کتابوں کی حالت علی الوجہ الجزئی و التفصیلی بیان کر دیجائے۔ تاکہ ایک اندھا بھی بالبداہت محسوس کرے کہ اس فرقہ کا ہاتھ جس طرح قرآن سے خالی ہے اسی طرح داسن اہل بیت سے بھی بے نصیب ہے اور جس چیز کا نام ان لوگوں نے احادیث اہل بیت رکھا ہے وہ کذب و دروغ بہتان و افترا کا ایک مجموعہ ہے اور بس۔

ان چاروں کتابوں میں کتابِ ستبصار کی وجہ تقدیم میں بیان کر چکا ہوں۔ اسکی تکمیل کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ باقی اصول اربعہ کی طرف توجہ کی جائے گی اور مبادا اگر وقت نے سعادت نہ کی یا عمر مستعار نے وفانہ کی تو انشاء اللہ تعالیٰ جس قدر ہو جائیگا اسی قدر کافی و وافی ہوگا۔ اسی خیالی سے میں نے اس تنقید میں صرف استبصار پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ بقیہ اصول اربعہ کی طرف بھی ضمناً اشارہ کا التزام رکھا ہے۔ واللہ الموفق والمعين۔

یہ بھی اس سلسلہ تنقید میں ایک بہت بڑی بات ہے کہ شیعوں کے اصول اربعہ مع ترجمہ اردو جو نفی ہونیکے ساتھ مستند و با محاورہ بھی ہوگا شائع ہو جائیگی۔ شیعوں کو اپنی کتابوں کے چھپانے میں مجید کوشش رہی اور ہے۔ جب نشی نو لکھنؤ نے انکی کتابوں کے طبع کا ارادہ کیا تھا تو اسوقت مجتہدین شیعہ پر جو کچھ حالت گزری وہ دیکھنے والے جانتے ہیں۔ نشی نو لکھنؤ نے یہ اور تم کیا کہ مجتہدین سے ان کے طبع کی اجازت مانگی اور اپنے خارجی اثرات سے ان کو متاثر کیا۔ بیچاے کیا کرتے۔ اجازت دیتی پڑی۔ سنگ آمد و سخت آمد۔

مگر پھر بھی کوئی مجتہد اس بات پر راضی نہ ہوا کہ ان خرافات کا ترجمہ اردو میں شائع کر کے عام پبلک کو اپنے مذہب پر اسے زنی کا موقع دیتا۔ بحمد اللہ آج وہ کام الحکم کے ذریعہ سے ہو رہا ہے۔ جس شیعہ مجتہد کا حوصلہ ہو وہ ہمارے ترجمہ پر اعتراض کرے۔

اصل کتاب استبصار حاشیہ پر ہے اور اسکا ترجمہ حوض میں ہے اور ترجمہ کے درمیان درمیان میں تنقیدی عبارت باقیار لکھی گئی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله ولي نعمه وسخيه والصلاة على خيرته من خلقه محمد وآله الطاهرين من عترته وسلم تسليماً

بسم الله الرحمن الرحيم

سب تعریف واسطے اللہ کے جو مالک و مستحق تعریف کا ہے اور وہ دوا پر اُس کے برگزیدہ مخلوق یعنی محمد اور اُن کی آل طاہرین کے جو عترت سے ہیں اور اُن پر سلام بھیجے (اللہ تعالیٰ)

اما بعد واضح ہو کہ میں نے اپنے اصحاب (امامیہ) کی ایک جماعت کو دیکھا کہ جب انھوں نے میری بڑی کتاب موسوم بہ تہذیب الاحکام کو ملاحظہ کیا اور انھوں نے وہ روایتیں دیکھیں جو میں نے اُس کتاب میں حلال و حرام کے متعلق جمع کی ہیں اور انھوں نے اُس کتاب کو اکثر متعلقات فقہ یعنی ابواب احکام پر شامل پایا اور یہ کہ ہمارے اصحاب (امامیہ) کی حدیثوں اور اُن کی کتابوں اور اُن کے اصول اور ان کے مصنوعات میں جس قدر روایتیں وارد ہوئی ہیں اُن میں شاید ناورد کوئی روایت شاید اُس بڑی کتاب کے تمام بابوں اور کتابوں میں درج ہو سے رہ گئی ہو اور یہ کہ وہ کتاب اس قابل ہے کہ وہ ایک عمدہ کتاب سمجھی جائے جس کی طرف مبتدی اپنے فقیہ بننے میں اور منتهی اپنی یاد کے تازہ کرنے میں اور متوسط اپنے تجربے کے پیدا کرنے میں محتاج ہے یہ سب لوگ اپنا مطلب اُس سے پاتے ہیں اور اپنی مراد اُس سے حاصل کرتے ہیں (المختصر اُس بڑی کتاب کے دیکھنے سے) ان کے نفوس اس بات کی طرف شتاق ہوئے کہ جو مضامین احادیث مختلفہ کے متعلق ہیں وہ علیحدہ بطور اختصار کے جمع کیے جائیں جن کی طرف فقیہ متوسط اپنی معرفت حاصل کرنے کے لیے اور منتهی اپنی یاد تازہ کرنے کے لیے التجارین کیونکہ یہ دونوں فریق ان احادیث مختلفہ میں تطبیق پیدا ہوئی ہے اور یہ فریق اور اکثر تالیفات

فانی رايت جماعت من اصحابنا لما نظر اے کتابنا الکبیر موسوم بہ تہذیب الاحکام رأوا اجتماعہ من الاخبار المتعلقات بالاحکام والحرام ووجوبہا شملت علی اکثرها فعلق بالفقه من ابواب الاحکام وانه لم یثبت عنہ فی جمیع ابواب کتبہما وروای احادیث صحابنا کہتم واصلہم ورفعتہم لانا وادریثنا سیرانہ یصلح لیکن کتابنا مذکور علی الجالیہ البتہ فی تفقہ المنتهی فی تذکرہ والمتوسط فی تجربہ فان کان من ینال طلبہ من فقیہ نشد نفوسہم ان یکون یعلق بالاحادیث المختلفہ مفرداً

على طرق الاختصار ليرش اليها متوسط في الفقه احدثه والمنتهى له ذكره ان كان من الغريقان آيسين بالخلق الزناق ودر بالممكنما

ضیق الوقت فی تصفح المکتب بتع الاثار فیشرفا علی ما اختلف من الروایات فیکون الانتفاع بکتاب یشتمل علی اکثر اور من احادیث

اصحابا مختلفہ اکثرہ
علی ذین الصنفین لکن
المبتدئ لا یخلو ایضاً
من النفع بڑا اور ان
یجری ہذا الجری فیہ یکنو
الغایۃ بہ تامۃ والاستدلال
بہ وافر الذین یمین النفع
وحمل المذکور ذلک لیسبق
الی ہذا المعنی احد من
الشیوخ من اصحابنا ایدہ
فی الاخبار والفقه فی
الحلال والحرام وسأونی
بتجری ذلک صرفاً عنایۃ
الی جمیعہ تلخیصہ ان ابداً
فی کل باب یا راجعاً
من الفتوی والاحادیث
فیہ ثم انقلب ہما ہی الخ
من الاخبار و امین ہ
الجمع بینہما علی حد السقط

ان کو کتابوں کے دیکھنے کا اور حدیثوں کے تتبع کا موقع نہیں ملتا کہ ان کو ان روایات
مختلفہ پر اطلاع حاصل ہو پس ایسی کوئی کتاب (اگر تیار ہو گئی) جو
ہمارے اصحاب کی اکثر مختلف حدیثوں پر شامل ہو تو اس کا نفع ان
دونوں قسموں (یعنی مبتدی و منتهی) پر وقف ہوگا اگرچہ مبتدی بھی اس کے
نفع سے خالی نہ ہوگا۔ اور انھوں نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ اس قسم کی کتاب
پر پوری توجہ اور پوری محنت ہونی چاہیے کیونکہ اس میں بہت بڑا نفع اور
نیکنامی ہے اس لیے کہ ہمارے شیوخ اصحاب جو حدیث و فقہ یعنی
حلال و حرام میں صاحب تصانیف ہیں کسی نے بھی ایسی کتاب اس سے
پہلے نہیں لکھی۔ اور انھوں نے مجھ سے یہ بھی درخواست کی کہ میں صرف
احادیث مختلفہ کو لکھوں اور انھیں کے جمع و تلخیص پر توجہ کروں اور یہ کہ
ہر باب میں پہلے میں وہ فتوے اور وہ حدیثیں لکھوں جن پر
مجھے اعتماد ہے اس کے بعد اس کی مخالف حدیثیں لکھوں اور
ان میں جس طریقہ سے تطبیق ممکن ہے وہ بیان کر دوں اس
طرز سے کہ کسی حدیث کو حتی الامکان ساقط (لا اعتبار) نہ بناؤں اور
میں اس کتاب میں بھی وہی ڈھنگ رکھوں جو میری
بڑی کتاب مذکور کا ہے اور یہ کہ شروع کتاب میں کچھ وہ
اصول بیان کروں جن کی مدد سے حدیثوں کو ترجیح دیجاتی ہے

۱۵ اطلاع حاصل نہ ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جاکہ جب احادیث مختلفہ کی بابت
کوئی ایسے پوچھ بیٹھتا ہے تو کہہ کر کہتے ہیں اور خاص کر خلاف مذہب کے سامنے تو انکو سخت شرمندگی
انہی بڑی سبب ۱۲

شبیہ منہا، لکن ذلک فیہ واجری فی ذلک علی عادی فی کتابی البیہر المذکور ان اشیر فی اول الباب الی حملہ ما یرجع بہ الاحادیث

مضمون نگاری کے قواعد

الغیر کو بھی مضمون نگاروں کی بہت ضرورت ہے مگر انجم کی مضمون نگاری کے لیے حسب ذیل قواعد کی پابندی ضروری ہے بلکہ ان قواعد کی پابندی نہ کرنے کے جن صاحب کا مضمون درج نہ ہو وہ براہ کرم معاف فرمائیں اور عدم اندراج کی جوابدہی میں بھی دفتر کا عزیز وقت نہ ضائع ہونا چاہیے نہ مضمون کی واپسی کا صرف دفتر کے ذمہ ہونا چاہیے۔

وہ قواعد یہ ہیں

- (۱) مضمون علمی یا مذہبی ہو۔ اور مضمون نگار اس بحث میں کافی واقفیت و مہارت رکھتا ہو۔
- (۲) جو مضامین فرق مخالفہ کے رد میں ہوں انہیں تحقیق و الزام دونوں چیزوں سے کام لیا گیا ہو اور الزام میں مخالف کے مذہب پر پوری اطلاع کا ثبوت ملے۔ تہذیب و متانت کا پورا لحاظ ہو گالیوں کا جواب بھی دعا و ثنا کے ساتھ ہو۔ اور مضمون نگار اس کا بھی ملتزم ہو کہ مخالف کے جواب کا جواب کا سلسلہ جب تک چلے اپنا قلم نہ روکے۔
- (۳) عبارت میں گنجلک اور طول بالکل نہ ہو صاف سلیس اردو ہو عربی فارسی کی عبارت میں اگر نقل ہوں تو ان کا ترجمہ بھی حاشیہ پر ہو۔

(۴) خط صاف ہو کہ پڑھنے والے کو کسی مقام پر اشتباہ نہ پیدا ہو۔

- (۵) مضمون انجم کے موجودہ پیمانہ پر آٹھ صفحہ سے زائد نہ ہو کبھی کبھی کسی اشد ضروری مضمون کو سولہ صفحہ تک دیے جاسکتے ہیں۔

- (۶) مضمون نگار صاحبان و قریب کے کسی صلہ و معاوضہ کے آرزو مند نہ ہوں۔ ان اجر و کمالات کا اعلیٰ اللہ۔
- (۷) جن صاحب کا مضمون پسند آجائے گا اور وہ ہر ماہ میں ایک مضمون دینے کا وعدہ کرے گا تو ان کے نام انجم برتہ جاری کر دیا جائے گا اور انعامی کتابیں جو حسد و ادا ان انجم کے لیے تجویز ہو اگر کوئی انکو بھی ملتی رہیں گی۔
- (۸) جو مضمون حسن و افادہ کی اس حد میں آجائے گا جس کا اعلان پشت صفحہ ہذا پر ہوا اس کے لکھنے والے کو ہر فروخت کی قیمت کا خمس بذریعہ منی آؤر (نہ بنیت معاوضہ) بھیج دیا جائے گا۔

۹۔ اگر کسی صاحب کی نظر سے مخالف کا کوئی مضمون جو اسلام پر حملہ آور ہو گذرے اور وہ قابلیت یا فرصت نہ رکھتے ہوں تو اس مضمون کو بعینہ یا اگر انگریزی زبان میں ہو تو مع ترجمہ دفتر ذرائع بھیج دیں۔

۱۰۔ ہر مضمون زائد از ایک ماہ کے اندر ہی اندر اسکی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر شائع ہو جائے گا۔

۱۱۔ اگر کوئی مالت قوی بیش آجائے گا تو مضمون نگار کو اطلاع دی جائے گی۔

التماس ضروری

جسوقت سے النجم موجودہ پیمانہ پر آیا ہے تمام مضامین کی عمدگی

کا لحاظ پہلے سے بہت زیادہ کیا گیا ہے اور اُسکے لیے غیر معمولی اہتمام ہوا ہے۔ لہذا

جن ناظرین کو خزانے کچھ قدرت ہی ہوا اور وہ اپنے بھائیوں کو علمی و مذہبی فوائد پہنچانا چاہیں انکی خدمت میں گزارش ہے کہ جب کوئی مضمون النجم کا حسن و خوبی کی اس حد تک یہ پہنچ جائے کہ عام طور پر لوگوں کو اس سے باخبر بنانا مفید سمجھا جائے تو آپ حضرات اس مضمون کی علحدہ کا بیان بصورت سالہ کے دفتر النجم سے خرید کر مواقع ضرورت میں مفت تقسیم کر دین ایسے مضامین کی بات اکثر و بیشتر خود ہی دفتر النجم سے ناظرین کی خدمت میں سفارش کر دی جائے گی ایسے مضامین کے ارسالے (بنیت مذکور خریدنے والوں کو) فی روپیہ ۶۴ جز کے حساب سے دیے جائیں گے کم از کم عہ کے اور زیادہ سے زیادہ جس قدر مطلوب ہوں خرید کیجیے اور اپنے بھائیوں میں تقسیم کر دیجیے مگر جب ایسا ارادہ کسی مضمون کی نسبت ہو تو تاریخ اشاعت سے دو ہفتہ کے اندر اندر جس قدر رسائل مطلوب ہوں انکی قیمت بذریعہ منی آڈر بھیج کر دفتر سے طلب کر لینا چاہیے۔

اللہ

منیجر دفتر النجم لکھنؤ پٹانالہ

نمبر شمار	عنوان مضمون	مضمون نگار	نمبر صفحہ
(۱)	معروضات خاص	میرالنجم	۱
(۲)	زہد و سائق	"	۲
(۳)	حسب روایات شیخ باجی کون فرقہ ہے	"	۵
(۴)	میرزا غلام احمد قادیان اور ان کے پیرو	"	۹
(۵)	مدنیہ منورہ کا خط	"	۱۲
(۶)	جنت طرابلس کیلئے دعائے تنوت	"	۱۳
(۷)	اعمال و شیعہ	"	۱۴
(۸)	میں کیوں سنی ہو گیا	احمد حسین صاحب	۲۱
(۹)	فہرست وصولی و واپسی و یلو	میرالنجم	۲۵
(۱۰)	مساخرہ و حدیث فقہ	"	۳

مطبع مملکت طابع و قلع ملوک عثمانی طبع کر

التماس ضروری

جسوقت سے النجم موجودہ پیمانہ پر آیا، ہر تمام مضامین کی عمدگی

کا لحاظ پہلے سے بہت زیادہ کیا گیا ہے اور اُسکے لیے غیر معمولی اہتمام ہوا ہے۔ لہذا

جن ناظرین کو خزانے کچھ قدرت ہی ہوا اور وہ اپنے بھائیوں کو علمی و مذہبی فوائد پہنچانا

چاہیں انکی خدمت میں گزارش ہو کہ جب کوئی مضمون النجم کا حسن و خوبی کی اس حد تک

پہنچ جائے کہ عام طور پر لوگوں کو اُس سے باخبر بنانا مفید سمجھا جائے تو آپ حضرات اس مضمون کی علحدہ

کاپیاں بصورت سالہ کے دفتر النجم سے خرید کر مواقع ضرورت میں مفت تقسیم کر دین ایسے مضامین کی بات

اکثر و بیشتر خود ہی دفتر النجم سے ناظرین کی خدمت میں سفارش کر دی جائے گی ایسے مضامین کے

ارسالے (بنیت مذکور خریدنے والوں کو) فی روپیہ ۶۴ جز کے حساب سے دیے جائے گئے

کم از کم عہ کے اور زیادہ سے زیادہ جس قدر مطلوب ہوں خرید کیجیے اور اپنے بھائیوں میں

تقسیم کر دیجیے مگر جب ایسا ارادہ کسی مضمون کی نسبت ہو تو تاریخ اشاعت سے

دو ہفتہ کے اندر اندر جس قدر رسائل مطلوب ہوں انکی قیمت

بذریعہ منی آڈر بھیج کر دفتر سے طلب کر لینا چاہیے۔

اللہ

منیجر دفتر النجم لکھنؤ پٹانالہ